کسانوں اور دیہی مزدوروں

کے روزگار سے متعلق

حقوق

ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ،پاکستان

حسیب میموریل ٹرسٹ بلڈنگ،ناصر آباد،2کلومیٹر رائیونڈ

روڈ،ٹھوکر نیاز بیگ،لاہور

فون نمبر:042-5311701-6 فیکس:042-5311710

ای میل:info@sappk.org

تحریر:	مظہر حسین عارف
مترجم :	ارشد سیّد
ایڈیٹر:	انور چودھری
سب ایڈیٹر:	شبنم رشید
کمپوزنگ/لے آؤٹ :	شمائلہ حسان
ٹائیٹل/آرٹ ورک:	محبوب علی
تعداد:	5000(پانچ ہزار)
اشاعت ترجمہ:	جون 2007ء

پرنٹر:	شیخ غلام علی اینڈ سنز
ناشر:	ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ،پاکستان

کینیڈین انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ ایجنسی (CIDA)اور
سوئس ڈویلپمنٹ کو آپریشن (SDC)کی مالی معاونت کا شکریہ

"اور وہ بڑے جاگیردار جنہیں کسی انقلاب کے نتیجے میں اپنی زمینوں سے محروم ہونا ہوتا ہے ، وہ بڑے مالکان جو تاریخ تک رسائی رکھتے ہیں ، جن کی آنکھیں تاریخ کو پڑھنے اور اس عظیم حقیقت کو جاننے کی صلاحیت رکھتی ہیں کہ جب جائیداد صرف چند ہاتھوں میں مرکوز ہوجاتی ہے تو یہ چھین لی جاتی ہے ۔ اور اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی کہ جب لوگوں کی اکثریت بھوکی ننگی ہوگی تو وہ اپنی ضرورت کی چیزیں چھین کرلے لیں گے ۔ اور یہ چھوٹا سا سچ بھی جو تاریخ کے ہر دورمیں چیختا نظر آتا ہے کہ جبر صرف جبر کا شکار لوگوں کو متحد اور مضبوط کرنے کا کام کرتا ہے ۔ بڑے جاگیرداروں‌نے تاریخ کے ان تین اعلانات کو نظر انداز کیا ۔ زمین چند ہاتھوں میں مرتکز ہوتی گئی ، ملکیت سے محروم لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی ، اور بڑے جاگیردار کی ہر کوشش جبر کی جانب بڑھتی رہی ۔ پیسہ اسلحہ خریدنے اور بڑی جاگیروں کے تحفظ کے لئے خرچ کیا گیا ، بغاوت کی سُن گُن لینے کے لئے جاسوس بھیجے گئے تاکہ اسے دبا دیا جائے ۔ بدلتی ہوئی معیشت کو نظر انداز کردیا گیا ، تبدیلی کے منصوبوں کو نظر انداز کیا گیا اور صرف بغاوت کو دبانے کے ذرائع پر زور دیا گیا جبکہ بغاوت کی وجوہات جوں کی توں رہیں۔"

(Grapes of Wrath by John einbeck)

مندرجات

پیش لفظ

1- تعارف

1.1- غریب امیر کے درمیان فرق

1.2- غربت کا خاکہ

1.3- کسانوں کی مقروضیت

1.4- مداخل کی زیادہ قیمتیں

1.5- گلوبلائزیشن اور تجارتی پیمانے پر کھیتی باڑی

1.6- دیہی مزدور

1.7- بندشی مشقت

1.8- زمینوں پر قبضہ گیری

2- اراضی اور حقوقِ روزگار-تاریخی پسِ منظر

2.1- قدیم ہندوستان میں ملکیتِ اراضی

2.2- برطانوی حکومت کے دوران ملکیتِ اراضی میں تبدیلیاں

2.3- باہمی حقوق وفرائض

2.4- آزادی کے بعد سے کی گئی زرعی اصلاحات

2.5- سبز انقلاب اور ملکیتِ اراضی

2.6- کسان مزدور بن گئے

-3 اراضی اور حقوقِ روزگار
-3.1 اراضی
-3.2 اراضی اور عورتیں
-3.3 روزگار کیا ہے؟
-3.4 اثاثوں سے کیا مُراد ہے؟
-3.5 کسانوں اوردیہی مزدوروں کے حقوقِ روزگار
-4 آئینی اور انسانی حقوق
-4.1 پاکستان کا آئین
-4.2 انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ
-4.3 ایشیائی کمیشن برائے انسانی حقوق
-4.4 ریاست کی ذمہ داری
-4.5 حکومت کا ردِعمل
-4.6 قومی کمیشن برائے زراعت کے لئے تجاویز
-5 اختتامیہ اور سفارشات
-5.1 قومی پالیسی برائے املاکِ اراضی
-5.2 تجویز کئے گئے اقدامات
-5.3 روزگار اور ملازمتوں کے مواقع پیدا کرنا
-5.4 سول سوسائٹی کیا کرسکتی ہے؟
حوالہ جات

پیش لفظ

پاکستان کی معیشت نے دیہی علاقوں میں غربت کے سوال کا ابھی تک کوئی حل نہیں دیا ۔باوجود اس کے کہ معیشت میں ترقی کے اعلان کئے جاتے ہیں جس کے مطابق غربت کم ہونی چاہیئے مگر پاکستان میں غریب نہ صرف غریب ہے بلکہ وہ غریب تر ہوتا جا رہا ہے ۔ایسے ملک میں جس کی اکثریتی آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے وہاں اس طرح کے حالات تشویش ناک ہیں جن کا فوری سدباب ضروری ہے۔دیہاتی آبادی ایسی غربت کا شکارہے جن کو روزگار کا تحفظ حاصل نہیں ہے۔ا س کی وجوہات میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے ہاں زمین اور زراعت کے بارے میں کوئی مؤثر اصلاحات نہیں ہوئیں۔دیگر وجوہات میں مسلسل بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور روزگار کے متبادل ذرائع کا فقدان کم اجرت اور مہنگائی ہے۔

پاکستان میں زرعی معیشت زوال پذیر ہے،مداخل کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں جبکہ پیداوار کم ہو رہی ہے جس کے نتیجے میں بہت سے علاقوں میں زراعت منافع بخش روزگار نہیں رہا۔جب تک کسانوں اور چھوٹے مالکان کو روزگار کے متبادل ذرائع نہیں ملتے وہ مداخل کی بڑھتی ہوئی قیمت پوری کرنے کے لئے قرض لیتے ہیں نتیجے کے طور پر وہ قرض ادا نہیں کر سکتے اور اپنی تھوڑی سی زمین سے بھی

ساتھ دھو بیٹھتے ہیں۔پاکستان کی حکومت ان لوگوں کو مطلوبہ تحفظ مہیا کرنے میں ناکام رہی ہے۔بدلتے ہوئے سیاسی منظر اور مستقل پالیسی سازی نہ ہونے کی وجہ سے دیہی آبادی بد ترین مشکلات کا شکار ہے۔

ایس اے پی پاکستان اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ ہر انسان کو اس کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ حاصل ہو۔پاکستان کی اکثریتی آبادی خاص طور پر کسان ،دیہی مزدور اور خواتین اپنے حقوق سے آشنا نہیں ہیں۔پاکستان کی لیبر پالیسی کے مطابق مزدوروں کو روزگار اور کم از کم اجرت کا تحفظ حاصل ہے۔دیہی مزدور کو مزدور کا درجہ نہیں دیا گیا لہذا وہ ان بنیادی حقوق سے بھی محروم ہے۔

ایس اے پی پاکستان موجودہ حالات میں بہتری لانے کے لئے آبادی کے اس حصے میں شعور بڑھانے کا کام کر رہی ہے۔اس تحقیقی مقالے کا مقصدہے کہ اچھی طرح چھان پھٹک کر کے موجودہ حالات کو پیش کیا جائے اور ساتھ ساتھ حالات کو بہتر بنانے کے خیالات کو سامنے لایا جائے۔بنیادی مقصد یہی ہے کہ اس اکثریتی آبادی میں ان کے حقوق کا شعور پھیلایا جائے اور انہیں ایک پلیٹ فارم مہیا کیا جائے جہاں وہ اپنے مسائل پر بات کر سکیں اور انہیں پالیسی سازی کی سطح تک لے جا سکیں تاکہ یہ مسائل حل ہو سکیں۔

اس مقالہ میں دیہی محنت کشوں کو جن مسائل کا سامنا ہے ان پر

تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔یہ آج کے جاری حالات پر روشنی ڈالتا ہے اور ایسی تجاویز پیش کرتا ہے جو ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں جنہیں ایس اے پی پاکستان سامنے لا رہی ہے۔

محمد تحسین
ایگزیکٹو ڈائریکٹر
ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ پاکستان

1-تعارف

اصل پاکستان تو دیہی پاکستان ہے ۔ 7 کروڑ سے زیادہ کسان اور دیہی کارکن ملک کی زراعت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ یہ ملک میں کل وقتی ملازمتوں کا 42فیصد ہیں اور کل قومی پیداوار میں ان کا حصہ 23فیصد ہے ۔ 60فیصد سے زیادہ آبادی دیہات میں رہتی ہے اور 67.5 فیصد آبادی کی بسر اوقات کا انحصار زراعت پر ہے ۔ **(1)**

دیہات کی غریب آبادی کی بہبود ، ملک کے پالیسی سازوں اور منصوبہ کاروں کے لئے اب تشویش کا معاملہ نظر آتا ہے جبکہ عام لوگ ، کسان ، مویشی بان ، بے زمین مزدور سب کے سب افسوسناک زندگی بسر کررہے ہیں اور بہت سے لوگوں نے ایسے مایوس کن حالات میں زندہ رہنے کی بجائے اپنی زندگی ختم کر ڈالی ہے ۔

ملک میں خود کشیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ غربت ہے

غربت اور معاشی دشواریاں پاکستان میں خود کشیوں کی تعداد میں اضافے کی سب سے بڑی وجہ ہیں ۔ سرکاری اعدادو شمار کے مطابق 2006 ء کے دوران پاکستان میں 222 افراد نے خود کشی کی جبکہ 2005ء میں یہ تعداد 167 تھی ۔ وزارتِ قانون ، انصاف و انسانی حقوق

کے کراچی ، لاہور ، پشاور اور کوئٹہ میں موجود ڈائریکٹوریٹس سے روزنامہ ڈیلی ٹائمز نے جو اعدادو شمار اکٹھے کئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ 50 فیصد سے زائد خود کشیاں غربت اور معاشی دشواریوں کی وجہ سے ہوئیں ۔ اس پر حکومت اور ان پالیسی سازوں کو تشویش ہونی چاہیئے جو یہ دعوے کرتے آئے ہیں کہ گزشتہ چند برسوں میں ملک کے اندر غربت میں آٹھ فیصد کمی ہوئی ہے ۔ وزارت کے کراچی ڈائریکٹوریٹ نے 2006ء کے دوران 150 خود کشیوں کی اطلاع دی جن میں 50 فیصد خود کشیوں کی وجہ غربت ، بے روزگاری یا معاشی دشواریاں تھیں ۔ 10 فیصد خود کشیاں جرگے یا وڈیرے کے فیصلے سے بچنے کے لئے کی گئیں ۔ **(ڈیلی ٹائمز لاہور، 19 فروری 2007ء)**

1.1 غریب اور امیر کے درمیان فرق

2006 ء کے شروع میں حکومت نے دعویٰ کیا کہ ملک میں غربت کی شرح جو 2001 ء میں 32.1 فیصد تھی گھٹ کر 2005 ء میں 5.4 فیصد ہو گئی ہے ۔ لیکن عام لوگوں کا ایک بڑا حصہ اور میڈیا بے روزگاری ، کم روزگار اور مہنگائی ، خصوصاً اشیائے خوراک اور توانائی کے ذرائع کی قیمتوں میں اضافے (جو غریب لوگوں اور متوسط طبقے پر خصوصاً اثر انداز ہوتے ہیں) ، کے پیشِ نظراس سلسلے میں پیش رفت کے بارے میں شبہات کا اظہار کرتا رہا۔**(2)**

تاہم ، فروری 2007ء میں پاکستان میں غربت میں کمی کے سٹریٹجی مقالے (PRSP یعنی وہ حکمتِ عملی جو کوئی ملک وسیع

پیمانے پر نمو حاصل کرنے اور غربت میں کمی لانے کیلئے اختیار کرتا ہے اور تمام رکن ممالک یہ حکمتِ عملی عالمی بنک اور آئی ایم ایف کے اشتراک سے تیار کرتے ہیں) کا سالانہ جائزہ پیش کرتے ہوئے ، حکومت نے اعتراف کیا کہ غریب اور امیر کے درمیان فاصلہ بڑھا ہے ۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں سب سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے والے 20 فیصد لوگوں اور سب سے کم آمدن والے پانچویں حصے کے درمیان تناسب جو 1-2000 ء میں 3.76 تھا 5-2004 ء میں بڑھ کر 4.15 ہو گیا۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ غریب اور امیر کے درمیان فرق بڑھا ہے ۔

"جہاں ملک کے سب سے اونچے اور سب سے نچلے طبقے کے درمیان نابرابری واضح طور پر متوقع ہوتی ہے وہاں پریشان کن بات یہ ہے کہ یہ فرق بڑھ رہا ہے ۔ ان لوگوں کی تعداد مسلسل بڑھ رہی ہے جو غریب ہیں ۔ صرف یہی نہیں بلکہ جو لوگ غریب ہیں وہ اور بھی زیادہ غریب ہوتے جارہے ہیں اور جو امیر ہیں وہ امیر تر ہوتے جارہے ہیں ۔ اس سے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ آخر حکومت ایسی پالیسیا ں کیوں نہیں اپناتی جس سے غریبوں کو زیادہ پیسہ کمانے کا موقع ملے بجائے اس کے کہ پہلے سے ہی دولت مند لوگ زیادہ امیر ہوں"**(3)**

1.2 غربت کا خاکہ

ایشیائی ترقیاتی بنک کی جولائی 2002 ء کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں تاریخی طور پر غربت دیہی علاقوں میں شہری

علاقوں کی نسبت زیادہ رہی ہے ۔ 1990 ء کی دہائی میں غربت میں تیزی سے اضافہ ہوا ۔ 1999 ء میں دیہات میں غربت کی شرح 36.3 فیصد تھی جبکہ شہروں میں غربت کی شرح 22.6 فیصد کی نسبت کہیں زیادہ تھی ۔ پاکستان میں شہری اور دیہی ،دونوں معاشروں میں عدم مساوات میں بھی 1990 ء کی دہائی میں ہی اضافہ ہوا۔ اگرچہ دیہی معاشرے کی سب سے بڑی سرگرمی زراعت ہے ، مگردیہی محنت کشوں کی ایک خاصی بڑی تعداد ،جو اندازاً 40 فیصد سے زیادہ ہے ،غیر زرعی سرگرمیوں پر انحصا ر کرتی ہے ۔ **(4)**

پاکستان میں عورتیں تمام زندگی مواقع کی کمی کا شکار رہتی ہیں ۔ خاص طور پر عورتوں کی روزگار مارکیٹ تک رسائی پرصنفی سطح کے سخت نظریات ، سماجی اور ثقافتی پابندیوں ، منقسم منڈیوں اور آجروں کے صنفی تعصبات کا گہرا اثر ہوتا ہے ۔ عورتوں پر غربت کے اثرات کے مطالعاتی تجزیوں سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ عورتوں کو کنبے میں اور معاشرے میں غربت کا زیادہ بوجھ اٹھانا پڑتا ہے ۔ مطالعاتی جائزوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جتنا زیادہ کوئی کنبہ غریب ہوتا ہے اتنا ہی اس کے عورتوں کی محنت پر انحصار کرنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ دیہات کے چھوٹے پیمانے کے مطالعاتی جائزوں سے پتہ چلتا ہے کہ جن گھرانوں میں عورتوں کی کمانے کی صلاحیت کنبے کی بقا

کے لئے اہم ہوتی ہے وہاں مفلسی اور بھی زیادہ ہو تی ہے کیونکہ عورتوں کو محنت کی اُجرت کم ملتی ہے ۔ **(5)**

غریب والدین نے ہسپتال کا بل ادا کرنے کے لئے بچہ بیچ دیا

ایک غریب میاں بیوی نے اپنا نوزائیدہ بچہ ایک بے اوالاد جوڑے کو دے دیا کیونکہ وہ اس بچے کی پیدائش کا ہسپتال کا بل نہیں دے سکتے تھے ، بچے کی ماں نے بتایا۔ محمد حنیف اور اس کی بیوی حکیم زادی نے اپنا پانچ دن کا بچہ ایک بے اولاد جوڑے کو دے دیا جس نے ہسپتال کا 4,500روپے(75 ڈالر) کا بل ادا کیا ۔

" ہمارے پہلے ہی چھ بچے ہیں اور تین مر چکے ہیں کیونکہ ہم ان کی دیکھ بھال نہیں کر سکے ۔ کم از کم اس بچے کی دیکھ بھال تو ہوجائے گی"، حکیم زادی نے ٹنڈو آدم میں اپنے گھر پر رائٹرز کو بتایا۔ ''یہ ہمارا بچہ ہے اور ہم اس کے ساتھ جو چاہیں کریں "۔ ڈسٹرکٹ پولیس افسر ظفر اقبال نے کہا کہ وہ اس معاملے کی تحقیقات کررہے ہیں ۔ حکیم زادی نے بتایا کہ اس کا شوہر مزدوری کرتا ہے اور ٹی بی کا مریض ہے ۔ وہ اپنے باقی بچوں کو بھی پوری طرح کھلا پلا نہیں سکتا ۔

(ڈان ، اسلام آباد 16مارچ2007ء)

1.3 کسانوں کی مقروضیت

زمین کی ملکیت کے بارے میں کوئی واضح پالیسی نہ ہونے ، فصلیں

اُگـانـے کـے عـلاوہ دوسـرے شعبوں میں عدم دلچسپی ، زمین کی غیر منـصـفـانـہ تـقـسـیـم ، غیـر کـاشـتـکار لوگوں میں سرکاری اراضی کی تـقسیم اور ماحولیاتی ابتری کی وجہ سے دیـہات کی آبادی کو بہت سے چیلنجوں کا سامنا ہے ۔ گزشتہ برسوں میں زرعی زمینوں کا ایک بـڑا حـصـہ تیزی سے بڑھتے ہوئے شہروں اور جائیداد کا کاروبار کرنے والـوں کـے مـنـصـوبـوں کـی نـذر ہـو گیا ۔ ایک مطالعاتی جائزے کے مـطابق پاکستان میں زیر کاشت رقبہ جو 1972 ء میں سب سے زیادہ تھا 1990ء میں سب سے کم ہو گیا ہے ۔ دراصل ، سوائے بلوچستان کے دوسـرے تیـنوں صوبوں میں زیر کاشت رقبے میں کمی آئی ہے ۔ پـنجاب میں 1972 ء سے اب تک زیرِ کاشت رقبے میں چالیس لاکھ ایکڑ کی کمی آئی ہے ۔

مـلک کـا نصف سے زیادہ زیرِ کاشت رقبہ سیم اور تھور سے متاثرہ ہے جس سے اس کی پیداواری صلاحیت کم ہو گئی ہے ۔ سیم و تھور سے متاثرہ کل رقبہ ایک کروڑ 45لاکھ ایکڑ ہے جبکہ کل زیرِ کاشت رقبہ 2 کروڑ 35لاکـھ ایـکڑ ہے ۔ عالمی بنک کی پاکستان میں غربت کے جائزے کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ " پاکستان کے دیہات میں، خـصوصاً سندھ اور جنوبی پنجاب کے علاقوں میں، سیم و تھور کی وجہ سے زمیـن کـی خـرابی کافی نمایاں ہے ۔ زمین کی ٹھیکے پر کاشت کـے عـام رواج کـی وجہ سے سیم اور تھور کـے خـاتـمے کے لئے وسط مـدتـی یـا طـویـل مـدتی اقدامات بہت کم کئے جاتے ہیں جس کے

نتیجے میں زیر کاشت اراضی کم ہوتی جارہی ہے اور فصلوں کی پیداوار بھی کم ہو رہی ہے ۔**(6)**

زراعت کی ابتری اور روزگار کے گھٹتے ہوئے موقعوں کی وجہ سے دیہات میں غربت میں اضافہ ہو رہا ہے جبکہ چھوٹے کاشتکاروں ، کسانوں (بے زمین اور چھوٹے قطعات کے مالك کسان اور مزارعین) کو مسلسل بڑھتے ہوئے قرضوں کا سامنا ہے ۔ یہ بات اہم ہے کہ اس وقت چھوٹے کسانوں کے قرضے زرعی ترقیاتی بنك پاکستان کے زراعت کے شعبے میں دئیے گئے کل قرضوں کا88فیصد ہیں ۔

2000-01 ء میں 12.5 ایکڑ تك اراضی کے مالکان نے زرعی ترقیاتی بنك پاکستان سے 15 ارب روپے سے زائد کے قرضے لے رکھے تھے جبکہ بڑے زمینداروں (100 ایکڑ سے زائد) نے اسی عرصے کے دوران بنك سے چارارب 43 کروڑ 20لاکھ روپے کے قرضے لے رکھے تھے ۔ خشك سالی کے برسوں (1996-97) سے پہلے چھوٹے کسانوں کودئیے جانے والے کل قرضوں کی رقم 4 ارب روپے تھی جو اگلے ہی سال (1997-98) میں دو گنا بڑھ گئی یعنی چارارب 50 کروڑ روپے ہو گئی اور اس سے اگلے سال (1998-99) میں یہ 14 ارب روپے تك پہنچ گئی ۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ چھوٹے کاشتکاروں کو خشك سالی نے کس بری طرح سے متاثر کیا تھا۔

زرعی ترقیاتی بنک پاکستان کی طرف سے دئیے گئے قرضے

(ملکیت اراضی کے سائز کے لحاظ سے اور روپے ہزاروں میں)

سال	**12.5**ایکڑ تک		**12.5**ایکڑ سے **50**ایکڑ تک		**50**ایکڑ سے **100**ایکڑ تک		**100**ایکڑ سے زیادہ	
پاکستان	تعداد	رقم	تعداد	رقم	تعداد	رقم	تعداد	رقم
1983-84	22064	720383	36602	1680965	7860	3855228	1678	107310
1990-95	51090	3136873	32313	3062992	6417	844652	2836	533857
1994-95	98784	4352401	60952	6076120	7253	899786	2687	372572
1996-97	70793	4090537	43357	5393979	5000	808562	1768	336757
1997-98	201131	8539070	89650	92148427	13791	1882422	1857	302279
1998-99	295414	14229188	113706	11964807	14106	1927764	7101	954940
2000-01	296912	15062941	95142	10065954	10175	1342761	3567	443278

حوالہ : پاکستانی کے زرعی اعدادو شمار 2000-01، صفحہ 161

مندرجہ بالا ٹیبل سے پتہ چلتا ہے کہ چھوٹے کسانوں کو دئیے جانے والے قرضوں کی تعداد میں 1300 فیصد اضافہ ہوا جبکہ قرضے کی رقوم میں 16 برسوں کے دوران 1600 فیصد کا اضافہ ہوا۔

غیر رسمی ذرائع سے خوفناک شرائط پر حاصل کئے جانے والے قرضے زراعت کے لئے ایک لعنت ہیں ۔ توقع تھی کہ باقاعدہ قرضوں کے لئے مالیاتی اداروں کے قیام سے اس پر انحصار کم ہوجائے گا۔ تاہم کچھ کمی کے بعد یہ انحصار دوبارہ سے بڑھ گیا ہے ۔

پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف ڈویلپمنٹ اکنامکس کے ایک مطالعاتی جائزے کے مطابق غیر ادارات ی قرضوں کا حصہ جو 1973ء میں 90 فیصد تھا

کم ہو کر 1985 ء میں 41 فیصد رہ گیا تھا۔ 1990 ء میں دوبارہ 76 فیصد اور 1996 ء میں 78 فیصد تک پہنچ گیا ۔ اس جائزے کے مطابق زمینداروں / زرعی مشینری فراہم کرنے والوں کا غیر رسمی قرضوں میں حصہ 36 فیصد اور دکانداروں کا حصہ 16 فیصد ،کمیشن ایجنٹوں کا حصہ 12 فیصد ، زرعی مداخل کا کاروبار کرنے والوں کا حصہ 11 فیصد ، پیشہ ور ساہو کاروں کا حصہ 3 فیصد اور پراسیسنگ یونٹوں کا حصہ 2 فیصد تھا۔ باقی کے 11 فیصددوسرے متفرق عناصر پر صرف ہوتے تھے ۔ تمام گھرانوں کی قرضوں کے غیر اداراتی ذرائع سے مقروضیت 2 ارب 79 کروڑ روپے سے بڑھ کر 5ارب 86 کروڑ روپے ہو گئی جبکہ کسان گھرانوں کی مقروضیت تقریباً دو گنا بڑھ گئی ۔ یہ ایک ارب 75 کروڑ روپے سے بڑھ کر 3ارب 75کروڑ روپے ہوگئی اور مقروضیت کی کل شرح 61 فیصدسے بڑھ کر 68 فیصد ہو گئی ۔ **(7)**

کراچی کی ایک این جی او (BURST) نے سندھ کے 15 دیہاتوں کا ایک سروے کیا ۔

میر پور خاص کے دیہی علاقے کے اس جائزے میں ، جس کی آبادی 1400 ہے اور املاک کا سائز 5-1 ایکڑ تک ہے ، فی کسان قرضہ6لاکھ روپے سے لے کر 10لاکھ روپے تک تھا ۔ ٹھٹھہ کے گائوں میں جس کی آبادی 2500 اور املاک کا سائز 4 ایکڑ تک ہے فی کسان اوسط قرضہ 4لاکھ روپے تک تھا ۔ سانگھڑ کے ایک گائوں

میں جس کی آبادی 900 ہے اور اوسطاً ملکیت کا سائز 12ایکڑ تک ہے اوسط قرضہ 4لاکھ روپے تا 6لاکھ روپے تک ہے ۔ ان قرضوں کو واپس کرنے میں ناکامی پر ان کسانوں نے اپنی زمینیں بیچ دیں۔

اس مطالعاتی جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ میر پور خاص ، ٹھٹھہ اور سانگھڑ کے دیہاتوں میں کسانوں نے 300 ، 100 اور 300 ایکڑ اراضی بیچی ۔ اس مطالعے میں اندازہ لگایا گیا ہے کہ دیہات کے کسان گھرانوں کے اوسط سالانہ اخراجات 8936 روپے ہیں ، جو بمشکل زندہ رہنے کے لئے کافی ہیں جبکہ کاشتکاری سے حاصل ہونے والی کل آمدنی 3673روپے ہے ۔ یہ آمدنی غذائیت کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بھی کہیں کم ہے ، کجا یہ کہ زندگی کی دوسری ضرورتوں مثلاً صحت اور تعلیم کو پورا کرے ۔ **(8)**

1.4 مداخل کی زیادہ قیمتیں

مہنگائی میں اضافہ ملک کے کسانوں کے لئے بے حد پریشان کن ہے ۔ ایندھن زراعت میں توانائی کا سب سے بڑا ذریعہ بن گیا ہے ۔ یہ ٹریکٹر ، ریپر ، تھریشر ، ٹیوب ویل اور دوسرے آلات کو چلانے کے کام آتا ہے ۔ صرف ڈیزل کی قیمتوں میں گزشتہ تین چار برس کے دوران 300 فیصد اضافہ ہوا ہے جبکہ ٹریکٹر مالکان 450-400 روپے فی گھنٹہ وصول کرتے ہیں ۔ اس وجہ سے کئی کسان پرانے طریقوں یعنی ہل اور بیل یا بھینس کے استعمال کی طرف واپس جا رہے ہیں ۔

کسان کو منڈیوں سے کھیت اور کھیت سے منڈیوں تک مداخل لانے اور پیداوار لے جانے جیسے کاموں کے لئے ٹرانسپورٹ پر بہت زیادہ انحصار کرنا پڑتا ہے ۔
بیجوں اور کھادوں کی قیمتوں میں بے تحا شا اضافہ ہوا ہے اور کھادوں کی کنٹرول قیمتوں پر بر وقت فراہمی ایک مستقل مسئلہ بن چکا ہے جس سے سب سے زیادہ کسانوں اور کم آمدنی والوں کو مصائب کا سامنا ہے ۔ تمام اہم کیڑے مار دوائوں کا بھی یہی حال ہے ۔ ان کی قیمتیں گزشتہ چند برسوں میں کئی گنا بڑھ چکی ہیں ۔ اگلا مسئلہ تب ہوتا ہے جب کوئی کسان اپنی زرعی پیداوار بیچنے کے لئے منڈی یا سرکاری خریداری مرکز تک لے جاتا ہے ۔ کسانوں کو حکومت کی مقرر کردہ قیمت کبھی نہیں ملتی ۔ نتیجہ یہ ہے کہ زیادہ تر چھوٹے کسان مصائب کا شکار رہتے ہیں اور ان کی حالت دن بدن خراب ہوتی جارہی ہے ۔ **(9)**

1.5 گلوبلائزیشن اور تجارتی پیمانے پر کھیتی باڑی

گلوبلائزیشن کے عمل نے ریاست کی حقوق کے تحفظ اور فروغ کی صلاحیت کو کمزور کردیا ہے ۔ معاشی اور سماجی پالیسی سے متعلق زیادہ تر اختیارات ریاست سے بین الاقوامی مالیاتی اداروں اور کاروباری اداروں کو منتقل ہو چکے ہیں ۔ ریاستوں کو مالیاتی اور

دوسرے ادارے زیادہ سے زیادہ تنگ اور کوتاہ نظری پر مبنی معاشی پالیسیوں پر عملدرآمد کے لئے مجبور کررہے ہیں جن کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے مصائب میں اضافہ ہورہا ہے جبکہ کچھ افراد دولتمند ہوتے جارہے ہیں ۔ کاروباری ادارے بہت سے حقوق، خاص طور پر کسانوں ، مزدوروں ،عورتوں اور مقامی لوگوں کے حقوق کی پامالیوں کے ذمہ دار ہیں ۔

حال ہی میں پاکستان میں تجارتی بنیادوں پر کھیتی باڑی کے تصور کو متعارف کرایا گیا ہے جس کی کسانوں اور مزدوروں کی تنظیمیں شدت سے مخالفت کررہی ہیں ۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سے کسان مکمل طور پر کمپنی اور اس کے زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی خواہش کے تابع ہو کررہ جائیں گے ۔ اس سے نہ تو کسانوں کا روزگار محفوظ ہوگا نہ ہی ان کی فلاح و بہبود ہوگی۔ یہ کارپوریشنیں کسی بھی وقت اس کاروبار میں منافع نہ رہ جانے کی وجہ سے باہر نکل جائیں گی اور زرعی شعبہ زرعی اشیاء اور تیار خوراک کی عالمی منڈیوں کے خطرات کا سامنا کررہا ہوگا۔

کسان کے زمین کی ملکیت کے حق کی توثیق کا تقاضا یہ ہے کہ زرعی زمینوں کی نجی پارٹیوں اور پٹے پر کھیتی باڑی کرنے والوں کو ہر قسم کی فروخت کو فوری طور ممنوع قرار دیا جائے تاکہ کسی بھی کسان کو اپنی زمین سے بے دخلی پر مجبور نہ کیا جا سکے ۔ پیداوار بڑھانے کے لئے جدید مشینری ، نئے بیجوں اور سائنسی طریقوں

کے استعمال کے تحت باہمی تعاون اور اشتمال کے طریقے اپنائے جانے چاہئیں۔

1.6 دیہی مزدور

دیہی مزدوروں میں پاکستان کے دیہی علاقوں میں باقاعدہ اور غیر رسمی شعبوں میں موجود غیر منظم ، کم اجرت یافتہ ، ہنرمند اور غیر ہنر مند مزدور مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔ زرعی مزدور وہ ہیں جو محنت کے بدلے زرعی پیداوار لیتے ہیں ، خواہ ٹھیکے پر ہوں یا بغیر ٹھیکے کے ، مستقل ہوں یا عارضی ، خواہ انہیں نقد اجرت ملتی ہو یا جنس کی صورت میں۔ چھوٹے زمیندار جو خود اپنی زمینوں پر کام کرتے ہیں زرعی مزدوروں کے زمرے میں نہیں آتے۔ یہ قسم مزاعین سے بھی مختلف ہے کیونکہ مزارعین کو زیرِ کاشت زمین پر کچھ اختیارات اور کسی قسم کی صوابدید حاصل ہوتی ہے۔

پاکستان منصوبہ بندی کمیشن کی طرف سے کئے گئے لیبر فورس سروے (1994-95) کے اندازے کے مطابق پاکستان میں محنت کش افراد 1997-98 ء میں کل آبادی کا 27.46 فیصد ہوں گے یعنی مزدوروں کی کل تعداد 38.18 ملین ہو گی۔ ان میں سے 27.71 دیہی مزدور ہوں گے ۔ یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ دیہی مزدور جو 1951 ء میں کل محنت کش افراد کا 1.1 فیصد تھے 1990 ء میں بڑھ کر 27.24 فیصد ہو چکے تھے کیونکہ سبز انقلاب کے نتیجے میں

مـزارعـے اور کـسـان دیـہی مزدور بن چکے تھے ۔ بے زمین کاشتکارجو ان زمیـنوں پر کئی دہائیوں سے کاشتکاری کر رہے تھے بے دخل کئے گئے اور انہیں کل وقتی زرعی مزدور بننا پڑا ۔ **(10)**

بـاقاعدہ مزدوروں کی اوسط سالانہ آمدنی (23,000 روپے) کل اوسط فی کس آمدنی 47,000 روپے کا تقریباً نصف ہے ۔ اس معمولی آمدن پر زنـدہ رہتے ہـوئے اپنے بچوں کو تعلیم دلانے، کچھ نہ کچھ صحت اور سـمـاجـی تـحـفـظ کـی سـہـولـیـات یا کسی قسم کی بچت دیـہی مـزدوروں کے لئے خواب سے زیادہ نہیں ۔ نـو آبادیاتی دور کے قوانین اور آزادی کـے بـعـد کـے قـوانین دیـہی مزدوروں کی حیثیت تسلیم نہیں کرتے ۔ زرعی مزدوروں کے لئے کوئی خصوصی قوانین موجود نہیں ہیں ۔ صنعتی مزدوروں کے لئے بنائے گئے قوانین کا اطلاق ان پر نہیں ہـوتـا ۔ زرعی مزدوروں اور ان کے آجروں کے درمیان تعلق محض جابرانہ ہوتا ہے ۔**(11)**

1.7 بندشی مشقت

بـنـدشـی مشقت ، جو زرعی غلامی کی ایک قدیم ترین شکل ہے اور جسے مـقتدر جاگیر دار قرض اور کبھی نہ ختم ہونے والے ادائیگی کے سلسلے کے ذریعے چلاتے ہیں ، آج بھی روایتی طریقے کے طور پر قائم ہے۔ پـاکـسـتـان کے ایک صـوبے میں پندرہ لاکھ سے زیادہ افراد ، جن

میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے ، بندشی مزدوروں کی حیثیت سے جاگیرداروں کے ظلم و ستم سہہ رہے ہیں ۔ بعض اوقات انہیں زنجیروں سے باندھ کر کام لیا جاتا ہے ، انہیں ان کے مالکان اپنی نجی جیلوں میں ڈال دیتے ہیں اور بعض اوقات ان کے خاندانوں کو اذیت اور بے عزتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے ۔ **(12)**

1.8 زمینوں پر قبضہ گیری

آج کے اس سائنسی دور میں معاشرے کے دوسرے افراد کی طرح کسانوں اور دیہی مزدوروں کو بھی محفوظ روزگار، معیاری تعلیم ، اور صحت کی دیکھ بھال ، پینے کے صاف پانی ، مکان اور صفائی ، بجلی کی قابلِ اعتماد سپلائی اور جدید مواصلاتی سہولتوں کے حصول کا حق حاصل ہے ۔

خاص طور پر ایسے کاشتکاروں کی حیثیت سے جو زمین کاشت کرتے ہیں اورلوگوں کے لئے خوراک اور صنعتوں کے لئے خام مال اُگاتے ہیں ، کسانوں کو حتمی حق حاصل ہے کہ انہیں محفوظ اور باعزت روزگار ملے جو تمام لوگوں کی خوشحالی اور مجموعی ترقی کی ایک بنیادی شرط ہے ۔ اگر وہی لوگ جو کاشتکاری کرتے ہیں اور خوراک اگاتے ہیں فاقہ کشی کے دہانے پر ہوں گے اور ان کے پاس اگلی فصل کے لئے اشیاء موجود نہیں ہوں گی تو سارے لوگوں کی

بہبود خطرے میں پڑ جائے گی ۔

بلوچستان اسمبلی کی پاکستان ایئر فورس کے زمینوں پر قبضے کے خلاف قرارداد

بلوچستان اسمبلی نے اتفاقِ رائے سے صوبے کے مختلف حصوں میں پاکستان ایئر فورس کی طرف سے مبینہ طور پر نجی زمینوں پر غیر قانونی قبضے کے خلاف ایک قرارداد منظور کی ۔ سرکاری اور اپوزیشن کے ارکان اسمبلی نے پاکستان ایئر فورس کی طرف سے نجی ملکیتی اراضی پران مقامی لوگوں کی
رضا مندی کے بغیر،جو اس اراضی کے ”قانونی مالکان“ ہیں، ”غیر قانونی اورغیر اسلامی “ قبضے کے خلاف قرارداد پاس کی ۔ ایم ایم اے کے ایک رکن اسمبلی عبدالرحیم بازئی نے صوبائی حکومت کو اس بات پر قائل کیا کہ وہ وفاقی حکومت سے زمینوں پر جبری قبضے کے خلاف احتجاج کرے ۔ قرارداد میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ ایئر فورس پشتونوں کی زمینوں پر جبراً قبضہ کرنا بند کرے ۔

(روزنامہ ڈیلی ٹائمز، لاہور، 20 مارچ 2007ء)

مگر پاکستان میں کسانوں کے اس نا قابلِ تنسیخ حق کی بے تحاشا پامالی ہوئی ہے ۔ لاکھوں ایکڑ زمینیں جوبے زمین کسانوں کو ملنی چاہئیں تھیں مسلح افواج کے ملازمین میں تقسیم کر دی گئی ہیں۔ 1950 ء کی دہائی کے اوائل سے فوج نے حاضر سروس اور

ریٹائرڈ ملازمین میں تقسیم کرنے کے لئے لاکھوں ایکڑ اراضی پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ ایک اندازے کے مطابق کوئی بارہ ملین ایکڑاراضی مسلح افواج کے پاس ہے جو کل سرکاری ملکیتی اراضی کا بارہ فیصد ہے ۔ اس میں سے 62 فیصد پنجاب میں ، 27 فیصد سندھ میں ، 11 فیصد صوبہ سرحد اور بلوچستان میں ہے۔ تقریباً سات ملین ایکڑ زرعی اراضی کی قیمت اندازاً 700 بلین روپے ہے ۔

خانیوال کا جنگل کہاں ہے ؟

پنجاب اسمبلی کی گزشتہ جمعے کی کارروائی میں صوبے کے تیزی سے ختم ہوتے ہوئے جنگلات کے بارے میں کچھ حیران کن معلومات سامنے آئیں ۔ انکشاف کیا گیا کہ ضلع خانیوال میں تقریباً 7,000 ایکڑ سرکاری اراضی فوج کو ایک ماڈل جنگل لگانے کے لئے دی گئی تھی ۔ ایسی کوئی چیز نہیں ہوئی بلکہ فوج نے وہ درخت بھی کاٹ دئیے جو وہاں پہلے سے موجود تھے اور زمین کاشتکاروں کو 5,000 سے 10,000 روپے فی ایکڑ کے حساب سے پٹے پر دے دی ۔ ابتدا میں 500 ایکڑ اراضی کی ایک اسلحہ ڈپو کی تعمیر کے لئے درخواست کی گئی تھی ۔یہ مطالبہ بڑھ کر 7,000 ایکڑ ہو گیا جس میں سے 5,000 ایکڑ پر ماڈل جنگل لگایا جانا تھا۔ تاہم پنجاب کے وزیرِ جنگلات کے کہنے کے مطابق ڈپو کی تعمیر میں تاخیر ہو گئی جس وجہ سے فوج نے اس اراضی کو پٹے پر دے دیا۔ اس حقیقت سے قطع نظر کہ فوج کو اپنے اصل مطالبے یعنی اسلحہ ڈپو کی تعمیر کے

لئے 500 ایکڑ اراضی پر مطمئن ہونا چاہیئے تھا ، یہ سوال بھی ذہن میں آتا ہے کہ اگر کسی بھی وجہ سے فوج نے ڈپو بنانے کا خیال ترک کردیا گیا تھاتو اس کے پاس باقی 5,000 ایکڑ اراضی پر سے درخت کاٹنے اور اسے پٹے پر دینے کا کیا جواز تھا ؟ اور یہ بھی کہ اگر جنگل لگانے کا منصوبہ کسی وجہ سے زیر عمل نہیں آسکتا تھا تو کیا اسے یہ اراضی صوبائی حکومت کو واپس نہیں کردینی چاہیئے تھی ۔ اس طرح کم از کم درخت تو بچ جاتے۔

(اداریہ ، ڈان ، اسلام آباد، 20 ستمبر 2004)

دلچسپ بات یہ ہے کہ تقریباً 100,000 ایکڑ اراضی مسلح افواج اور اس کے ذیلی اداروں ، فوجی فائونڈیشن، آرمی ویلفیئر ٹرسٹ اور بحریہ فائونڈیشن کے براہِ راست کنٹرول میں ہے اور ریٹائرڈ اور حاضر سروس فوجیوں میں تقسیم کی گئی ہے ۔ باقی اراضی فوجیوں میں ان کے اپنے فائدے کے لئے عطیہ میں دی جاتی ہے ۔ **(13)**

نئے جاگیر دار؟

عبدالکریم سخت گرمی میں سپریم کورٹ کے باہر انتظار کرتا رہا ہے کہ اس کے مقدمے کی سماعت ہو۔ بہاولپور میں اپنے گائوں سے میلوں دور بیٹھے اس غریب کسان نے اپنی تین کنال اراضی پر اپنے حق کے لئے مقدمہ کرر کھا تھا جو اسے پہلے سے ایک انتظامی حکم کے ذریعے عطیہ کی جا چکی تھی ۔ وہ کئی برس سے اس زمین پر کاشت کرتا چلا آرہا تھا اور اسے اس کا قانونی مالک سمجھا جاتا

تھا ۔ تاہم بعد میں یہی اراضی ایک اور انتظامی حکم کے ذریعے بریگیڈیئر ریٹائرڈ محمد بشیر کو دے دی گئی ۔ اس اراضی کی بریگیڈیئر کو منتقلی 33,866 ایکڑ اراضی کی جی ایچ کیو کو منتقلی کا ایک حصہ تھی جو 1993 ء میں صوبائی حکومت کی طرف سے فوج کو دی گئی تھی ۔ پنجاب حکومت نے یہ اراضی فوج کو اس کی ملکیت کی پڑتال کئے بغیر دے دی تھی ۔ فوج کو ملنے والی کل اراضی میں سے 396 کنال (49.5 ایکڑ) اراضی مذکورہ بریگیڈیئر کو دی گئی تھی جس میں سے تین کنال کا مالک عبدالکریم تھا ۔ بریگیڈیئر بشیر نے ہائی کورٹ میں عبدالکریم کی ملکیت کے خلاف مقدمہ لڑا لیکن عدالت نے عبدالکریم کی ملکیت برقرار رکھی ۔ عدالت کے فیصلے سے مطمئن نہ ہونے کی بنا پر بشیر نے ملک کی اعلیٰ ترین عدالت میں اپیل دائر کردی ۔ سپریم کورٹ نے بھی عبدالکریم کے حق میں فیصلہ دیا ۔ فوجی حکام کو نوازنے کے شوق میں ضلعی حکومت کے نمائندوں نے عبدالکریم کی ملکیتی اراضی فوج کے حوالے کردی ۔ اس کے علاوہ بلدیاتی حکومت مدعی عبدالکریم کے دعوے کے خلاف بریگیڈیئر کا ساتھ دے رہی تھی ۔ سپریم کورٹ نے ضلعی انتظامیہ کو لاپرواہی اور جانبداری سے ایسی زمینیں منتقل کرنے پر تنبیہہ کی جو الاٹمنٹ کے لئے نہیں تھیں ۔ عبدالکریم کے زمین پر کاشتکاری کرنے کے حق کو برقرار رکھتے ہوئے عدالت نے بریگیڈیئر کو ایک غریب

کسان کے حقوق پر ہاتھ دالنے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ سپریم کورٹ نے 2003ء میں اپنے ایک تاریخی فیصلے میں غریب لوگوں کو ان کے قانونی حق سے محروم کرنے والوں کو خبردار کیا۔

(عائشہ صدیقہ **New Land Barrons?**)

2-اراضی اور حقوقِ روزگار

تاریخی پسِ منظر

2.1 قدیم ہندوستان میں ملکیتِ اراضی

قدیمی دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں زمین کو کھیتی باڑی کے لئے کوئی 5000 سال سے استعمال کیا جارہا ہے ۔ ابتدا میں ان علاقوں پر جن پر انہوں نے قبضہ کیا ہوتا ،کنٹرول (خصوصاً حد بندی اور دفاع کا) قبائل کے ہاتھوں میں تھا ۔ ملکیتِ اراضی کے حق کی اولین شکل فاتح کا اراضی پر حق تھا۔ قبائل الگ الگ کنبوں کو ان کے استعمال کے لئے ،جو زیادہ تر زراعت کی غرض سے ہوتی تھیں ،زمینیں الاٹ کرتے تھے ۔

جنگلات جو غیر محدود علاقے پر موجود تھے ملکیتِ اراضی کی ایک دوسری شکل تھے یعنی ان پر اُن لوگوں کو حق حاصل ہوتا تھا جو سب سے پہلے انہیں صاف کرتے تھے ۔ جو کوئی بھی جنگل میں قطعہ اراضی کو صاف کرلیتا اُسے اس اراضی کے استعمال کا حق مل جاتا ۔ تاہم ملکیتِ اراضی کا یہ حق اس وقت تک ہی مؤثر ہوتا تھا جب تک اس پر کھیتی باڑی کی جارہی ہو ۔ جوں ہی اس اراضی کو غیر کاشتہ چھوڑ دیا جاتا اس کی ملکیت واپس قبیلے کو مل جاتی ۔ جنگل کو صاف کرنے کا دشوار کام ، بہت سے لوگوں کی مدد کی ضرورت ، چھوٹے پیمانے کے دفاعی انتظامات اور خاندانوں کے پھیلائو

سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گائوں وجود میں آئے جو ملکیتِ اراضی کا باقاعدہ حساب کتاب رکھتے تھے۔

ایسے گائوں جنہیں ملکیتِ اراضی کے انفرادی حقوق حاصل تھے ایسے خاندانوں پر مشتمل ہوتے تھے جنہوں نے جنگل کو صاف کر کے اراضی پر حقِ ملکیت حاصل کیا تھا۔ ہر خاندان کی ملکیت اس اراضی تک محدود تھی جو اس نے صاف کی تھی۔ گائوں کے آس پاس کی ناقابلِ کاشت زمین مشترکہ طور پر استعمال کی جاتی تھی لیکن اس پر ملکیت کسی کا دعویٰ نہیں ہوتا تھا۔ یہ حکمران کی ملکیت ہوتی تھی جو بعد کے ادوار میں کاشتکاری کی اجازت دیا کرتا تھا۔

ایسے دیہات کے معاملے میں جن کی ملکیتِ اراضی مشترکہ ہوتی تھی، گائوں کے لوگ اس گائوں کی حدود کے اندر آنے والی تمام اراضی پر ملکیت کا دعویٰ رکھتے تھے اور اسے انفرادی خاندانوں کو استعمال کے لئے الاٹ کیا کرتے تھے۔ گائوں کے انتظام و انصرام کا ذمہ دار نمبردار نہیں بلکہ گائوں کی پنچائیت ہوتی تھی، جو گائوں کی ایسی کونسل ہوتی تھی جس میں گائوں کے خاندانوں کو اپنی رائے کے اظہار کا حق ملتا تھا۔ اس طرح ایک قدیم زمانے سے ہی ملکیتِ اراضی کے انفرادی اور اجتماعی حقوق موجود تھے۔ لیکن ملکیتِ اراضی جس کا تصور مغرب میں تھا وہ یہاں پر موجود نہیں تھا۔ یہاں یہ حق ایک طرح کا استحقاق تھا جو موروثی طور پر زمین کے استعمال کے لئے تھا اور اس میں سماجی فرائض بھی شامل

تھے خاص طور پر دیہی کمیونٹی کے مفادات کا خیال رکھنا۔

بادشاہ اور کسان

اب سے کوئی 5000 سال پہلے برفانی ادوار کے درمیان کا گرم ترین زمانہ گزر چکا تھا اور موسم اپنے اگلے برفانی طوفان کی جانب بڑھنا شروع کررہا تھا۔ شاید یہی وقت تھا جب خانہ بدوشوں نے سرسبز میدانوں سے کوچ کرنا شروع کیا۔ سرسبز میدانوں میں آباد قبائل نے وہاں رہنے والے جنگلی گھوڑوں کو سدھانا شروع کیا اور جنگی رتھ بنانا سیکھ لیا۔ گھوڑے انہیں دودھ، گوشت اور ذریعہ آمد و رفت مہیا کرتے تھے جس نے خانہ بدوشوں کو زبردست جنگجو بنادیا۔ وہ گھاس کے کم ہوتے ہوئے میدانوں کے لئے آپس میں لڑتے۔ پھر کوئی 4000 سال قبل ان خانہ بدوشوں کو سرسبز میدانوں کو چھوڑنا پڑا۔ جو جنگ ہار جاتے وہ چراگاہوں کی تلاش میں کہیں اور چلے جاتے۔ان میں سے کچھ چین میں داخل ہوگئے، کچھ ہندوستان چلے گئے، دوسرے یورپ چلے گئے، جبکہ کچھ اور لوگ مشرقِ وسطیٰ گئے۔ انہوں نے شہروں کو باآسانی شکست دے دی کیونکہ ان کے پاس نہ تو گھوڑے تھے اور نہ ہی رتھ۔ خانہ بدوش بادشاہ اور جاگیردار بن گئے جبکہ کاشتکاری کرنے والے کسان بن گئے۔ یہ بادشاہ آپس میں لڑتے یا فتوحات کے لئے نئے علاقے تلاش کرتے۔ **(تاریخِ کائنات)**

2.2 برطانوی حکومت کے دوران ملکیتِ اراضی میں تبدیلیاں

برطانیہ کے ہندوستان پر حملے نے وقت کے ساتھ ساتھ ملک اور ملکیتِ اراضی کے نظام کو مکمل طور پر تبدیل کردیا ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ہندوستان میں برطانوی مصنوعات کی فروخت بہت کم تھی ۔ دوسری جانب ہندوستان کوادائیگیوں کے لئے برطانیہ سے سونے اور چاندی کی برآمد پر جلد ہی پابندی لگا دی گئی ۔ اس کا حل کمپنی نے یہ ڈھونڈا کہ ہندوستان میں ادائیگیوں کے لئے رقوم ہندوستان سے ہی حاصل کی جائیں ۔ اس نے ہندوستان کے راجوں سے ٹیکس وصول کرنا شروع کردیا ، جس سے ابتدا میں صرف دس فیصد ٹیکس وصول ہوتا تھا لیکن جوں جوں مغلیہ حکومت کے خاتمے کے قریب ٹیکسوں پر کنٹرول نرم ہوا ان کی شرح بڑھ گئی ۔ اس کے علاوہ انہیں جاگیر کی صورت میں زمینیں دی گئیں ۔

کچھ عرصہ تجربے کرنے کے بعد 1793ء میں کارنوالس کے دوامی بندوبست کے تحت ٹیکسوں کی وصولی کا ایک حتمی نظام قائم کرلیا گیا جس سے ملکیتِ اراضی کے نظام میں نمایاں تبدیلیاں آئیں ۔ انگریز حکمرانوں کا رویہ ایسا تھا جیسے ساری کی ساری اراضی سرکاری ملکیت ہواور ان کے اختیار میں ہو ۔ انہوں نے مقامی

ٹیکس وصولی کرنے والے مقرر کئے جنہیں زمیندار کہا جاتا تھا وہ اپنے اضلاع میں زمین کے مالک ہوتے تھے۔ ان زمینداروں کا کام ٹیکس اکٹھا کرنا اور پہنچانا ہوتا تھا۔ ٹیکس کی رقم کا تعین شروع میں ہی کرلیا جاتا تھا اور وہ مستقل اتنی ہی رہتی تھی۔ انہیں ترغیب دلانے کے لئے یہ طے کیا جاتا تھا کہ وہ کاشتکاروں سے جتنا چاہے ٹیکس طلب کریں۔

زمینداروں کو دی گئی اراضی پر ان کا حق ناقابلِ تنسیخ اور موروثی ہوتا تھا۔ یہ ہندوستان میں ایک بالکل نئی چیز کا آغاز تھا۔ زمین کو استعمال کرنے کا استحقاق اب ایک قابلِ فروخت چیز بن چکا تھا۔وہ لوگ جو اس سے پہلے کاشتکار تھے اب قابض مزارعے بن چکے تھے۔ قبضے کے یہ حقوق موروثی اور قابلِ منتقلی تھے۔ جب تک اس پر قابض لوگ ٹیکس ادا کرتے رہتے ان حقوق میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی تھی۔ اس کے برعکس وہ کاشتکار جو ٹیکس وصول کرنے والے کی ملکیتی اراضی پر کاشتکاری کرتے تھے ''اختیاری مزارعے'' کہلاتے تھے یعنی انہیں کسی بھی وقت بے دخل کیا جا سکتا تھا۔

ٹیکس وصولی کرنے والوں کو زمینداراور ملکیتی اراضی کو قابلِ فروخت چیز تسلیم کئے جانے کا نقصان یہ ہوا کہ ہندوستان میں تقسیمِ آبادی اور معاشی حالات کے لحاظ سے بہت سی تبدیلیاں آئیں۔ انگلستان میں ہونے والے صنعتی انقلاب نے اس کی ہندوستان

سے متعلق پالیسی میں تبدیلی پیدا کی ۔ اب مقصد ہندوستان سے چیزیں درآمد کرنا نہیں بلکہ ہندوستان میں انگلستان کی صنعتی پیداوار فروخت کرنا تھا ۔ جیسا کہ ٹیکسٹائل کی صنعت نے انگلستان میں صنعتی انقلاب کے شروع میں اہم کردار ادا کیا ۔مشینی کھڈیوں سے تیار مال کی بڑی مقدار ہندوستان بھیجی گئی اور جلد ہی اس کی وجہ سے ہندوستان کی مقامی کپڑے کی صنعت تباہ ہو گئی ۔

بڑی تعداد میں جولاہے بے روزگار ہو گئے ۔ اپنی بقا کے لئے وہ دیہی علاقوں میں نقل مکانی کر گئے جہاں وہ کاشتکاری کے لئے زمین پٹے پر حاصل کر سکتے تھے ۔ اس نقل مکانی کا حجم اتنا زیادہ تھا کہ 1824ء سے 1837ء کے درمیان صرف ڈھاکہ کی آبادی 150,000 سے کم ہو کر 20,000 رہ گئی ۔ اس سے دیہی علاقوں پر دبائو بڑھا اور زمیندار اور کسان کے درمیان تعلقات کی نوعیت یکسر بدل گئی ۔ محفوظ ذرائع روزگار پر کنٹرول میں زمینداروں کی اجارہ داری قائم ہو گئی جو زمین کی طلب میں اضافے کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ ٹیکس کا مطالبہ کرسکتے تھے ۔ اس سے مقروضیت کا رواج پڑا ۔اس کے نتیجے میں بعض اوقات لوگ قبضے کے حقوق سے بھی محروم ہو جاتے اور اختیاری مزارعین کی سطح پر چلے جاتے ۔

انگریزوں کی ملکیتِ اراضی کی پالیسی 150 برس تک جاری رہی ۔ اس کے ساتھ ساتھ معاشی تبدیلیوں اور آبادی میں کئی گنا اضافے کی وجہ سے ہندوستان میں ملکیتِ اراضی کا نظام بالکل بدل گیا

۔ پہلے کاشتکاروں کو زمین کے استعمال کا حق حاصل تھا اور حکومت کوٹیکس لگانے کا ،مگر اب اراضی کے حقوق کو کئی حصوں میں تقسیم کردیا گیا تھا ۔ اس طرح بہت سے کاشتکار اپنے جائز حق سے محروم ہو گئے اور غیر محفوظ مزارعین اور مزدوروں کے درجے پر پہنچ گئے ۔ اس کے ساتھ ساتھ ٹیکس جمع کرنے والے زمیندار اور جاگیردار بن گئے ۔ کارندوں کا ایک طبقہ وجود میں آگیا جس کی کوئی مخصوص ذمہ داریاں نہیں تھیں اور زمین ساہوکاروں کے ہاتھوں میں منتقل ہونے لگی۔ اس سے مالی حالات میں بڑی تبدیلی آئی اور کسانوں کی بڑی تعداد بے حد غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئی ۔

2.3 باہمی حقوق و فرائض

پاکستان اور ہندوستان میں ہونے والی مزید تبدیلیوں کی وضاحت کے لئے یہ بات بے حد اہم ہے کہ دیہی آبادی کے مختلف گروہوں کا ارتقاء بہت مختلف انداز میں ہوا اور آبادی کا بڑا حصہ غریب تر ہو گیا مگر بنیادی خصوصیات کے حوالے سے یہ نظام اپنی جگہ قائم رہا ۔ زمینداروں ، کاشتکاروں اور بے زمین مزدوروں کے درمیان ایک پیچیدہ تعلق موجود تھا جس کی بنیاد باہمی حقوق و فرائض پر تھی اور جس کے تحت دیہی معاشرے میں ہر کسی کو ایک مقام ملا ہوا

تھا ۔ اس نظام کا مقصد ہر کسی کی سماجی اور معاشی ضرورتوں کو پورا کرنا تھا اور یہ اس اصول پر مبنی تھا کہ سب لوگ اپنی ضرورتوں کے لئے ایك دوسرے پر انحصار کرتے ہیں ۔

بلا شبہ زمیندار زمینوں کے مالك تھے لیکن وہ اس زمین پر کھیتی باڑی کے لئے بے زمین مزارعین اور دیہی مزدوروں اور ہنر مندوں پر انحصار کرتے تھے ۔ اسی طرح سے بے زمین کارکن اپنی محنت کو استعمال نہیں کر سکتے تھے اگر زمیندار انہیں اپنی زمینوں پر کا م کرنے کا موقعہ نہ دیتا ۔ اس وجہ سے زمیندار کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ بے زمین لوگوں کے لئے معاشی حالات کو کم از کم اس سطح پر رکھے جہاں ان کی صلاحیت کار کو نقصان نہ پہنچے اور نہ ہی وہ نقل مکانی کریں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ کم سے کم اُجرت کی سطح مقرر ہوئی ، جو اگرچہ بہت ہی کم تھی ، بلکہ ہنگامی حالات میں ، فصل ضائع ہوجانے وغیرہ کی صورت میں مالی امداد کا بھی رواج پڑا ۔ اس کے علاوہ زمیندار اپنے کارکنوں کے ساتھ تعلقات کی بجائے متعلقہ ذمہ داریاں پوری کرنے کو ترجیحی مقام دیتے تھے ۔ ایسے باہمی تعلقات سماجی شعبے میں بھی موجود تھے ۔ زمیندار اس بات کو یقینی بناتے تھے کہ ان کے کارکنوں کو گائوں سے باہر تحفظ ملے اور ان کی نمائندگی ہو جبکہ بے زمین کارکن زمینداروں کی طرف وفاداری کا رویہ اپناتے اور جیسا کہ کہا جاتا ہے اپنے زمیندار کی طرفداری کرتے ۔ اس سے اسے طاقت اور اثرو رسوخ حاصل ہوا

اور ایسا مقام ملا جس کے ذریعے وہ ان کے مفادات کا باہر اچھی طرح سے تحفظ کرسکتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ رویے اس قدر مضبوط ہوگئے کہ طاقتوروں پر غریبوں کی ذمہ داری ایک سماجی رواج بن گئی اور پدرانہ رویہ قائدانہ شخصیت کے لئے لازمی شرط بن گیا۔ یہ اقدار جو خاص طور پر دیہی معاشرے سے متعلق ہیں استحصال کی کچھ حدود مقرر کردیتی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ان حدود کی سطح بہت ہی نیچی تھی مگر یہ گزر اوقات کی ضامن ضرور تھیں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ حقوق یکطرفہ طور پر زمینداروں کے فائدے کے لئے منتقل کردئیے گئے تھے لیکن بے زمین کارکن اپنے آپ کو استحصال زدہ محسوس نہیں کرتے تھے۔**(15)**

2.4 آزادی کے بعد سے کی گئی زرعی اصلاحات

نوآبادیاتی دور کے آخری برسوں میں بے شمار کانفرنسوں اور کانگریسوں میں مطالبہ کیا گیا کہ زرعی اصلاحات کی جائیں اور اس کے لئے تجاویز بھی پیش کی گئیں۔ اگرچہ آزادی سے پہلے کے دور میں زرعی اصلاحات کا مطالبہ بڑی سیاسی جماعتوں کی اقتدار حاصل کرنے کی حکمتِ عملی کا حصہ تھا (جیسا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا بھی تھا)، توآزادی نے نہ صرف ایسے اقدامات کے لئے سازگار ماحول پیدا کیا بلکہ نئی حکومتوں کو اپنے اقتدار کے لئے

باقاعدہ قانونی حیثیت حاصل کرنے میں بھی مدد دی۔ پاکستان اور ہندوستان دونوں میں نہ صرف عوامل بلکہ اقدامات بھی تقریباً ایک جیسے تھے ۔ تاہم ہندوستان میں ان اقدامات پر زیادہ تیزی سے عملدرآمد کیا گیا جبکہ پاکستان میں زمیندار طبقے کو زیادہ احترام دیا گیا۔

2.5 سبز انقلاب اور ملکیتِ اراضی

ساٹھ کی دہائی کے اواخر میں زرعی ٹیکنالوجی میں تبدیلیاں رونما ہوئیں جن سے پیداواری سطح پر گہرے اثرات مرتب ہوئے ۔ سبز انقلاب کے نتیجے میں پیداوار میں ہونے والا اضافہ اس قدر نمایاں تھا کہ صرف چند برسوں میں نئی ٹیکنالوجی تمام علاقوں میں جہاں اس کا اطلاق ممکن تھا رواج پاچکی تھی ۔ یہ بات بہت اہم تھی کہ پیداوار میں یہ اضافہ زرعی شعبے میں کوئی اداراتی تبدیلیاں لائے بغیر حاصل کیا گیا تھا ۔ اس سے یہ تصور عام ہونے لگا کہ زرعی ترقی اداراتی اصلاحات کے بغیر بھی ممکن ہے اور یہ کہ پیچیدہ زرعی اصلاحات کے بغیر بھی ترقی کی جاسکتی ہے ۔ تاہم جلد ہی یہ مفروضہ غلط ثابت ہوگیا ۔ اس عمل کے جامع تر تجزیے سے ثابت ہوا کہ موجودہ زرعی نظام کی وجہ سے بے شمار رکاوٹیں پیدا ہوئیں اور یہ کہ سبز انقلاب کے اثرات نے زرعی نظام کو تبدیل کرنے کی ضرورت

کو اور بھی نمایاں کردیا ۔ لیکن وہ غریب لوگ جن میں بہت سی توقعات پیدا ہوئی تھیں اور وہ پوری نہیں ہوئیں، زرعی اصلاحات کے پورے عمل کے دوران سب سے زیادہ نقصان میں رہے ۔ بے زمین کاشتکار اور پٹے پر کاشتکاری کرنے والوں پر زرعی اصلاحات سے کوئی اثر نہیں ہوا ، صرف چند مخصوص علاقوں میں انہیں زمین کی الاٹمنٹ سے فائدہ پہنچا۔ بہت سے تحفظ یافتہ مزارعین خود کاشتکاری کی جانب منتقلی کے عمل میں اپنے حقوق سے محروم ہو گئے اور بہت سے اسی زمین پر کاشتکاری کررہے تھے مگر پہلے سے کم فوائد کے ساتھ ۔ اس سے غریب طبقے پر نا موافق اثرات پڑے۔ جاگیر داروں کی جگہ تجارتی پیمانے کے کاشتکاروں نے لے لی جس کے نتیجے میں روایتی مزدوری کی جگہ ٹھیکے پر مزدوری رائج ہوئی ۔ اس طرح دیہی مزدور اس معمولی سماجی تحفظ سے بھی محروم ہو گئے جو انہیں زمیندار کے ساتھ باہمی تعلق کے ذریعے حاصل تھا ۔ انہیں بغیر کسی تحفظ کے زندگی کی جدو جہد میں اُتار دیا گیا ۔ منڈی کی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے وہ صرف نقصان ہی اٹھا سکتے تھے ۔**(16)**

2.6- کسان مزدور بن گئے

ایسی تبدیلیوں سے پیداواری شرحوں میں ایک بنیادی تبدیلی رونما ہوئی ۔ زمینداروں نے دیکھا کہ پٹے پر کاشتکاری کرانے کے پرانے

طریقے کے تحت نصف نصف کی شرح تناسب بہت مہنگی پڑتی ہے - پیداوار کی نئی شرح کے حساب سے نصف کی ادائیگی کی صورت میں وہ کاشتکار کو پہلے کی نسبت تقریباً دگنی رقم کے برابر ادائیگی کررہے تھے - اس کے علاوہ پٹے پر کاشتکاری کرنے والوں کا ایک بنیادی کام یہ تھا کہ وہ بیلوں کی جوڑی پالیں ، جو اب ٹریکٹر کی وجہ سے بے فائدہ ہو گیا تھا- زمیندار نے اس شرحِ تناسب میں تبدیلی کی کوشش کی کیونکہ اب اسے صرف افرادی محنت کی ضرورت تھی جانوروں کی نہیں -

زمینداروں نے مزارعوں کو بے دخل کرنا شروع کر دیا اور ان میں سے کچھ کو زرعی مزدوروں کے طور پر دوبارہ ملازمت پر رکھ لیا گیا - باقیوں کو صرف کٹائی کے وقت کام پر رکھا جانے لگا- بعض زمینداروں نے اس سے بھی بچنے کی کوشش کی اور مشترکہ طور پر کٹائی کی مشینیں خرید لیں-

اس طرح زرعی اصلاحات سے یہ رجحان پیدا ہوا کہ کاشتکاری مزارع کی بجائے زمیندار کرے - مزارعوں کی تعداد تیزی سے کم ہوئی - زرعی مزدوروں کی اُجرت میں اضافہ ابتدائی برسوں میں برائے نام تھا اس لئے زمینداروں کو پیداوار میں اضافے سے اور بھی زیادہ فائدہ پہنچا- زراعت اس قدر نفع بخش کاروبار بن چکا تھا کہ شہروں کے امیر طبقے کے لوگوں نے بھی اس میں سرمایہ کاری شروع کردی - زمینوں کی خرید و فروخت بڑھ گئی - زمیندار مزید زمین خریدنے یا

کرائے پر لینے کی کوشش کرتے تا کہ اپنے منافع بخش کاروبار کو زیادہ سے زیادہ وسیع رقبے پر پھیلا سکیں ۔

چھوٹے زمیندار طبقے کو سبز انقلاب سے بہت فائدہ پہنچا اور ان کی اپنی معاشی حالت میں واضح تبدیلی آئی ۔ وہ لوگ جو پہلے سے ہی دولتمند تھے اور بھی امیر ہو گئے اور غریب اور امیر کے درمیان فاصلہ اور بھی زیادہ بڑھ گیا ۔ مگر ان کے رویے میں تبدیلی اس سے بھی زیادہ اہم تھی ۔ دولت کمانے کے بعد لالچ مزید بڑھ گیا اور بعض لوگوں نے سراسر تاجرانہ طریقے اختیار کر لئے ۔ پہلے کی طرح کا پدرانہ کردار، مزدوروں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری، ختم ہو گئی اور مزدوروں کو جو تھوڑا سا تحفظ حاصل تھا وہ بھی نہ رہا۔ **(17)**

3۔اراضی اورحقوقِ روزگار

3.1 اراضی

پاکستان کی دیہی زندگی میں اراضی کو مرکزی کردار حاصل ہے ۔ اراضی خود قیمتی ہے اور اس سے حیثیت میں اضافہ بھی ہوتا ہے ۔ ایک قطعہ اراضی ایک گھرانے کو جسمانی ، مالی اور غذائی تحفظ مہیا کرسکتا ہے اور ایک مزدور کو ذریعہ آمدنی مہیا کرسکتا ہے ۔ ملکیتِ اراضی کسی خاندان اور سماجی گروہ میں شناخت اور سماجی حیثیت کی بنیاد بنتی ہے ۔اراضی سیاسی طاقت کی بنیاد بھی بن سکتی ہے ۔

اراضی کئی سطحوں پر کردار ادا کرتی ہے ۔ اراضی تک محفوظ رسائی کا مقصد روزگار کا حصول ہو سکتا ہے۔ اراضی ایک قدرتی اثاثہ بھی ہے جس کے ذریعے دوسرے مقاصد مثلاً اصناف کی برابری اور وسائل کا دانشمندانہ استعمال حاصل کئے جا سکتے ہیں ۔ اس کے علاوہ اراضی ایک ذریعہ بن سکتی ہے جس سے بہت سے دوسرے اثاثوں تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے ۔

گائوں میں اراضی سماجی حیثیت اور سیاسی طاقت کا تعین کرتی ہے اور خاندان کے اندر اور باہر تعلقات کی تشکیل کرتی ہے ۔ اراضی ایک پیداواری ، دولت کمانے والا اور روزگار کو قائم رکھنے والا اثاثہ ہے ۔ اراضی اور ذرائع پیداوار تک محفوظ رسائی کے بغیر بقا

کی روزمرہ سرگرمیاں غریب کو مجبور کردیتی ہیں کہ وہ کام چلاؤ صورت حال کے اندر زندگی بسر کرے جس سے وسائل برباد ہوتے ہیں اور غربت کی جانب سفر جاری رہتا ہے ۔ کسانوں کے حقوق کو ملکیتِ اراضی کے حوالے سے کس طرح دیکھا جانا چاہئے ۔ کسانوں کا حق ہے کہ انہیں اراضی کی ملکیت کا تحفظ ملے ۔ وہ لوگ جو زمین کاشت کرتے ہیں انہیں اس حق کی ضمانت ملنی چاہیئے ۔

3.2 اراضی اور عورتیں

پاکستان جیسے زرعی ممالک میں جہاں اراضی کی طاقت واضح ہے ، عورتوں کے ملکیتِ اراضی کے حق اور اراضی پر کنٹرول کے موضوع پر زیادہ بات نہیں کی گئی ۔ باوجود اس کے کہ اصناف میں توازن اور عورتوں کو بااختیار بنانے کے سلسلے میں خاصی سرمایہ کاری کی گئی ہے ، عورتوں کے معاشی مقام کے سلسلے میں ملازمت کو بنیادی عنصر سمجھا جاتا ہے ۔ اس بات کو نظر انداز کردیا جاتا ہے کہ مردوں کا معاشی رتبہ ان کی جائیداد کی ملکیت اور کنٹرول سے ماپا جاتا ہے ۔ عورتوں کے لئے ترقی کے سلسلے میں توجہ ملازمت ، تعلیم اور صحت پر مرکوز رہتی ہے ۔ یہ یقیناً کافی نہیں ہے ۔ طلاق یا بیوگی وغیرہ کی صورت میں عورتوں کو ملکیتِ اراضی سے متعلق جو مسائل پیش آتے ہیں وہ ان مسائل سے الگ ہیں جو عورتوں کو ایک ایسے خاندان میں پیش

آتے ہیں جس کی ملکیتِ اراضی محفوظ نہیں ہے اور جنہیں بے دخلی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

عورتوں کی ملکیتِ اراضی اور اس پر کنٹرول کو تقویت دینے کے حق میں مضبوط دلائل موجود ہیں: اس سے انہیں تحفظ ملتا ہے جو کہیں اور نہیں مل سکتا اور انہیں خود مختاری حاصل ہوتی ہے؛ اس سے عورتوں کی سودا کاری اور خرید و فروخت کی صلاحیت بڑھے گی اور ان کا سماجی رتبہ بڑھے گا؛ یہ اس سیاسی مصلحت کو چیلنج کرے گی جس کے تحت عورتوں کو بے اختیار رکھا جاتا ہے۔ عورتوں کو زمینیں دینے کا مطلب انہیں اختیار دینا ہوگا۔ اس کا معاشی اور سیاسی قوت پر اثر تقریباً فوری طور پر پڑ سکتا ہے۔ ملکیتِ اراضی کے اثرات براہِ راست بھی ہیں مثلاً پیداوار پر کنٹرول اور بالواسطہ بھی مثلاً قرضوں تک رسائی اور اداراتی بھی مثلاً خاندان کے اندر صنفی تعلقات میں تبدیلی۔

اگروال نے جنوبی ایشیا میں عورتوں کے حقوق کے موضوع پر اپنی مشہور تحریر میں کہا ہے کہ عورتوں کو ملکیتِ اراضی میں ان کا جائز حصہ دینا جنوبی ایشیا میں عورتوں کو بااختیار بنانے کے سلسلے میں سب سے اہم نکتہ آغاز ہو سکتا ہے۔ **(18)**

3.3 روزگار کیا ہے؟

روزگار ان صلاحیتوں، اثاثوں اور سرگرمیوں کا نام ہے جو بسر

اوقات کے لئے مطلوب ہوتی ہیں۔ ایک روزگار پائیدار ہوتا ہے اگر اس میں دبائو اور جھٹکوں کو سہنے، ان سے نکلنے ،موجودہ وقت میں اور مستقبل میں قدرتی وسائل کونقصان پہنچائے بغیر اپنی صلاحیتوں اور اثاثوں میں اضافہ کرنے کی صلاحیت ہو۔**(19)**

پائیدار روزگار درجِ ذیل چھ مقاصد کے ذریعے غریب لوگوں کی زندگیوں کی پائیداری میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتا ہے:

- ☆ قدرتی وسائل تک زیادہ محفوظ رسائی اور ان کی بہتر دیکھ بھال
- ☆ مالیاتی وسائل تک زیادہ محفوظ رسائی
- ☆ ایسی پالیسی اور اداراتی ماحول جس میں روزگار کی کئی حکمتِ عملیاں موجود ہوں اور مسابقتی منڈیوں تک مساویانہ رسائی کو فروغ دیا جائے
- ☆ بہتر غذائیت اور صحت، اچھی معیاری تعلیم ، معلومات ، ٹیکنالوجی اور تربیت تک آسان رسائی
- ☆ زیادہ سازگار اور مددگار سماجی ماحول
- ☆ بنیادی اور امدادی انفراسٹرکچر تک آسان رسائی

3.4 اثاثوں سے کیا مراد ہے؟

اثاثوں کی اقسام میں سماجی ، انسانی ، قدرتی،طبعی، مالی ، اور سیاسی اثاثے شامل ہیں ، جو مداخل کا کردار بھی ادا کر سکتے ہیں

اور نتیجے کا بھی - بہت سے خطرات جن پر لوگوں کو کوئی کنٹرول حاصل نہیں ہوتا (مثلاً موسمیاتی تباہی یا سیاسی عدم استحکام) اثاثوں پر اثر انداز ہوتے ہیں - اثاثوں کو پالیسیوں، اداروں اور ضوابط کی چھلنی سے بھی گزرنا ہوتا ہے جس سے یہ طے پاتا ہے کہ لوگوں کے روزگار کے حقوق کی کس حد تک ضمانت دی گئی ہے -

3.5 کسانوں اور دیہی مزدوروں کے حقوقِ روزگار

جیسا کہ اراضی لوگوں اور کسانوں کے لئے ان کے ذریعہ روزگار کی حیثیت سے ایک قیمتی اثاثہ ہے- ان کا یہ حق ہے کہ انہیں جدید ترین ذرائع پیداوار تک رسائی حاصل ہو تا کہ وہ لوگوں کے لئے کافی خوراک اُگا سکیں اور جس سے وقت کے ساتھ ساتھ اراضی اور قدرتی وسائل کے تحفظ کو یقینی بنایا جاسکے- ملکیتِ اراضی کے حق کے ساتھ ساتھ کاشتکاری کرنے والوں کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ انہیں معیاری بیج، پانی اور دوسرے مداخل مثلاً کھادیں، کیڑے مار ادویات ، بجلی ، پیداوار کے لئے مشینی آلات، بنیادی انفراسٹرکچر مثلاً گودام، سرد خانے والی گاڑیاں، قرضوں اور مارکیٹنگ کی سہولیات اور اس کے علاوہ جدید پیداواری طریقوں کے بارے میں تکنیکی سہولیات حاصل ہوں-

مغربی بنگال(ہندوستان) میں کسانوں کی بے دخلی اور انسانی حقوق

کی خلاف ورزی کے بارے میں بین الاقوامی عوامی عدالت

31 جنوری 2007 ء کو کچھ عوامی تنظیموں اور سول سوسائٹی تنظیموں نے کلکتہ یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ ہال میں ایک روزہ بین الاقوامی عوامی عدالت کا اہتمام کیا ۔ اس عدالت میں سنگور، نندی گرام، ہری پور اور مغربی بنگال کے دوسرے قریبی علاقوں سے 5000 کسانوں نے شرکت کی ۔ ججوں کے نو رکنی بنچ میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی عدالتوں کے ریٹائرڈ جج اور قومی اور بین الاقوامی سول سوسائٹی کی نمایاں شخصیات شامل تھیں۔ نویں شیڈول کے بارے میں سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلے کی روشنی میں عوامی ٹریبونل کے ججوں نے اپنے فیصلہ سنائے ۔

☆ ہندوستان کی سپریم کورٹ نے آئین کے آرٹیکل 21 کی تشریح بہت سے مقدمات میں روزگار کے حق کے طور پر کی ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ کسی بھی شہری کو مقررہ قانونی کارروائی کے بغیر اس کو روزگارسے متعلق موجودہ آزادی سے محروم نہیں کیا جا سکتا ۔ کسی فرد کا ذریعہء روزگار چھیننا اس کی زندگی چھیننے کے برابر ہے ۔ اگر اس اصول کی روشنی میں اس مواد کا جائزہ لیا جائے جو ہمارے سامنے چھوٹے کاشتکاروں کی زمینیں ٹاٹا جیسے ایک بڑے سرمایہ کار کی صنعتی اسٹیٹ کے لئے حاصل کرنے کے بارے میں پیش کیا گیا ہے تو یہ آئین کے آرٹیکل 21 کی خلاف ورزی ہے ۔

☆ ہم سمجھتے ہیں کہ کسی کو بھی اراضی سے محروم کرنا اسے زندگی اور وسیلہء روزگار کے حق سے محروم کرنا ہے اور اس حوالے سے ہمارا مکمل اتفاقِ رائے ہے کہ سنگور اور نندی گرام میں ہندوستان کے آئین میں دئیے گئے بنیادی حقوق اور ہر قسم کے قومی اور عالمی انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی گئی ہے ۔

☆ سنگور اور نندی گرام میں حصولِ اراضی کے سلسلے میں پنچائتی راج کے ادارے کو بائی پاس کیا گیا۔

☆ انسانی حقوق کی پامالی کرنے والوں سے قانون کے مطابق سلوک کیا جانا چاہیئے ۔

☆ صوبائی حکومت کو چاہیئے کہ وہ سنگور اور نندی گرام کے لوگوں کو جانی اور مالی نقصان کے بدلے مناسب معاوضہ دے ۔

جہاں اصولی طور پر اس بات سے کوئی اختلاف نہیں کیا جا سکتا کہ یہ تمام مداخل زرعی پیداوار کے لئے ضروری ہیں ، مگر جو بات وضاحت طلب اور قابلِ تصدیق ہے وہ یہ ہے کہ یہ حقوق زراعت میں پیداوار کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں اور اصولی طور پریہ ان لوگوں کو ،جو پیداوار اُگاتے ہیں، بطور مراعات نہیں بلکہ بطور ناقابلِ تنسیخ حق کے ملنے چاہئیں ۔ اس کے علاوہ یہ بات تسلیم کی جانی چاہئیے کہ کسانوں کو زراعت سے متعلق سرکاری پالیسیوں کے فیصلوں میں شریک کیا جانا چاہیئے کہ املاکِ اراضی کا ڈھانچہ کیا ہونا چا

ہئیے ؟ غذائی فصلوں اور نقدی لانے والی فصلوں کے درمیان توازن کیا ہونا چاہیئے ؟ پیداوار کی قیمتیں کیا طے ہونی چاہئیں؟ زرعی پالیسی کی سمت کیا ہونی چاہیئے اور اس پر عملدرآمد کس طرح ہونا چاہیئے ؟

روزگار کے حق کی ضمانت پاکستان کے آئین میں اور عالمی اور علاقائی انسانی حقوق کی تنظیموں کی طرف سے بھی دی گئی ہے ۔

4-آئینی حقوق اور انسانی حقوق

4.1 پاکستان کا آئین

پاکستان کے آئین کا آرٹیکل 38 روزگار کے حق کی ضمانت دیتا ہے - اس میں کہا گیا ہے کہ ریاست :

(الف) عوام کی بہبود کو صنف، ذات پات، عقیدے یا نسل کی بنیاد پر کسی امتیاز کے بغیر، ان کا معیارِ زندگی بلند کر کے ، دولت اور ذرائع پیداوار اور ان کی تقسیم کے مفادِ عامہ کے خلاف چند محدود ہاتھوں میں ارتکاز کی روک تھام کر کے اور آجروں اور ملازمین اور زمینداروں اور مزارعین کے درمیان حقوق کی مساویانہ ترتیب کے ذریعے ، یقینی بنائے گی -

(ب) تمام شہریوں کو ملک کے دستیاب وسائل میں سے مناسب آرام اور تفریح کے ساتھ کام اور روزگار کے مواقع کے لئے کافی سہولیات مہیا کرے گی ؛

(ج) زندگی کی بنیادی ضروریات مثلاً خوراک ، لباس، مکان ، تعلیم ، اور طبی سہولیات ان تمام شہریوں کو صنف، ذات پات، عقیدے یا نسل کی بنیاد پر کسی امتیاز کے بغیر فراہم کرے گی ، جو بیماری، کمزوری یا بے روزگاری کی وجہ سے عارضی طور پر یا مستقل روزگار کمانے کے قابل نہیں ہیں -

روزگار اور ملازمت کے بارے میں مندرجہ بالا آئینی ضمانتوں کو

دیکھتے ہوئے یہ بات بالکل واضح ہے کہ پاکستان کی حکمران اشرافیہ بلا روک ٹوک پاکستان کے آئین کو پامال کرتی رہی ہے -

4.2 انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ

اعلامیے کے آرٹیکل 23 میں کہا گیا ہے کہ :

-1 ہر کسی کو کام کرنے ، ملازمت کا آزادانہ انتخاب کرنے ، منصفانہ اور سازگار حالاتِ کار اور
بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق حاصل ہے ؛

-2 ہر کسی کو بلاامتیاز یکساں کام کے لئے یکساں اُجرت کا حق حاصل ہے ؛

-3 ہر فرد جو کام کرتا ہے کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے منصفانہ اور مناسب اُجرت ملے اور اگر ضروری ہو تو سماجی تحفظ کے دوسرے ذرائع فراہم کئے جائیں جس سے اسے اور اس کے خاندان کو انسانی احترام کے مطابق جینے کا موقع ملے ؛

-4 ہر کسی کو اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے یونین بنانے اور یونین میں شامل ہونے کا حق حاصل ہے ؛

آرٹیکل 25 میں کہا گیا ہے کہ:

-1 ہر کسی کو ایسے معیارِ زندگی کا حق حاصل ہے جو اس کے اور اس کے خاندان کی صحت اور بہبود کے لئے مناسب ہو ، اس

میں خوراک، لباس، مکان اور طبی سہولیات اور ضروری سماجی سہولیات اور بے روزگاری ، بیماری ، معذوری، بیوگی، بڑھاپے یا کسی اور وجہ سے روزگار کے نہ ہونے کی صورت میں تحفظ شامل ہیں۔

-2 ماں اور بچے کو خصوصی دیکھ بھال اور مدد کا حق حاصل ہے ۔ تمام بچوں کو خواہ وہ شادی شدہ تعلق میں یا اس کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یکساں سماجی تحفظ ملنا چاہیئے ۔

4.3 ایشیائی کمیشن برائے انسانی حقوق

ہانگ کانگ میں قائم ایشیائی انسانی حقوق کمیشن نے 2001ء میں اپنے بیان میں کہا''کسانوں کے لئے کھیتی باڑی کسی صنعت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے ۔ یہ ایک طرزِ زندگی ہے ۔ یہ اس زمین پر آباد لوگوں میں سب سے زیادہ تعداد کی ثقافت ، تاریخ اور روزگار ہے ۔کسان اور چھوٹے کاشتکار حقیقت میں ایک بھرپور ،متنوع اور آلودگی سے پاک ماحول کے محافظ ہیں اور اس لئے چھوٹے کاشتکاروں اور کسانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے خصوصی قانون سازی کی جانی چاہیئے۔

کسانوں اور چھوٹے کاشتکاروں کو درجِ ذیل بنیادی انسانی حقوق حاصل ہیں :

زندگی کا حق؛

کسانوں کا قدرتی دولت اور وسائل کو اپنی انفرادی صلاحیت سے استعمال کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کا حق؛

کسانوں کا اپنی زرعی پیداوار کا حق

کسانوں کا اپنی پیداوار کو استعمال کرنے کا حق

کسانوں کا اپنی پیداوار کو بیچنے کا حق اوراپنی پیداوار پر

علمی ملکیت کا حق

کسانوں کے متحد ہونے اور منظم ہونے کا حق، اور

کسانوں کا اپنے اظہار کا حق

اگرچہ ان حقوق کو عالمی سطح پر تسلیم کیا گیا ہے لیکن حقیقت میں کسانوں اور دیہی مزدوروں کے حقوق کی پامالی کے واقعات بہت زیادہ ہیں اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے وسیع پیمانے پر ہوتے ہیں۔

سبز انقلاب کی پالیسی نے کسانوں سے یہ حق چھین لیا کہ وہ اپنی مرضی کی فصل اُگائیں اور اپنی مرضی کی زرعی ٹیکنالوجی استعمال کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام ممالک میں جہاں سبز انقلاب پر عملدرآمد کیا گیا وہاں کسانوں کو سبز انقلاب کے ماڈل پر کاشتکاری کرنے پر مجبور کیا گیا ۔ دراصل کسانوں نے سبز انقلاب کی پالیسی کو مسترد کردیا تھا کیونکہ یہ ماحول کے لئے نقصان دہ تھی اور کسانوں کے سماجی ڈھانچے کو تباہ کررہی تھی ۔ جینیاتی

ترمیم کی ٹیکنالوجی کے اپنائے جانے کے بعد کسان اپنی قدرتی دولت اور وسائل سے محروم ہوجائیں گے ۔ عالمی ادارہ تجارت کے قواعدپر عمل کرتے ہوئے بین الاقوامی تجارتی ادارے بہتر پوزیشن میں ہوں گے کہ وہ ممالک کو یہ ٹیکنالوجی اپنانے پر مجبور کریں اور کسانوں سے قدرتی دولت اور وسائل چھین کرلے جائیں ۔

کمیشن نے 2004ء میں اپنے بیان میں کہا ” کسان عورتوں میں ایک طویل روایت چلی آرہی ہے کہ وہ مختلف اقسام کے بیج غذائی اور ادویاتی استعمالات کے لئے اکٹھے کرتی ہیں ، منتخب کرتی ہیں اور ان کی ترویج کرتی ہیں ۔ وہ دنیا کے جینیاتی وسائل اور حیاتیاتی تنوع کی اولین محافظ ہیں۔روایتی علم کی عزت اور احترام کیا جانا چاہیئے اور یہ ہنر نئی نسلوں کو منتقل کئے جانے چاہئیں۔ نسلِ انسانی کا مستقبل اسی پر منحصر ہے ۔

کمیشن کا مطالبہ ہے کہ فوری طور پر حقیقی زرعی اصلاحات پر عمل کیا جائے جو آمدنی کی منصفانہ تقسیم کو ممکن بنائیں ، غریبوں کو اس اراضی اور قدرتی وسائل تک رسائی دیں جن پر مقامی اشرافیہ (اور بین الاقوامی تجارتی اداروں) نے قبضہ کررکھے ہیں ، اور نئے انتظامی ماڈل اپنائیں جن میں انسانی ضرورتوں کو منافع پر ترجیح دی گئی ہو۔

کسانوں کی امتیازی خصوصیت

کسان زرعی پیداوار کرنے والوں میں ایک الگ قسم ہیں جن کی درجِ ذیل خصوصیات ہوتی ہیں :

کھیت -- زراعت کو بطور وسیلہ روزگار اپنانا جس میں بسر اوقات اور اشیاء کی پیداوار یکجا ہوتی ہیں۔

خاندان -- سماجی ادارہ جس کی پیداوار ، استعمال ، تولید، سماجی تعلقات اور بہبود کے حوالے سے بنیادی اکائی خاندان ہوتا ہے ۔

سماجی گروہ -- گائوں کی آبادی اور روایتی تعمیلی رویے پر مبنی سوچ۔ کسان روزگار میں زراعت کے بدلتے ہوئے طریقے شامل ہوتے ہیں جو موسم ، مقامی وسائل میں تبدیلی اور آبادی میں تغیر اور اس کے ساتھ ساتھ بیرونی محرکات مثلاً منڈیاں، ٹیکس اور ریاستی مداخلت کی دوسری شکلوں کے جواب میں اختیار کئے جاتے ہیں ۔

ایشیائی انسانی حقوق کمیشن

ایشیائی چارٹر کسانوں اور دیہی مزدوروں کے حقوق کی مزید وضاحت اس طرح کرتا ہے :

☆ کسانوں ، ماہی گیروں اور زراعتی مزدوروں کو ذریعہ روزگار کو اپنائے رکھنے اور اپنے سماجی گروہ کو قائم رکھنے کا حق حاصل ہے ؛

☆ کسانوں کو اس زمین کی جسے وہ کاشت کرتے ہیں ملکیت کا اور زمیندار کے جابرانہ تعلق سے آزادی کا حق ہے ؛

☆ کسانوں ، ماہی گیروں اور زراعتی مزدوروں کو تعلیم ، صحت اور رہائش کی مناسب سہولیات کا حق ہے ؛

☆ کسانوں، ماہی گیروں وزراعتی مزدوروں کو مقامی، علاقائی اور قومی ،ہر سطح پر منظم ہونے کا حق ہے ؛

☆ کسانوں، ماہی گیروں اور زراعتی مزدوروں کو یہ حق ہے کہ انہیں اس فیصلہ سازی کے عمل میں شریک کیا جائے اور نمائندگی دی جائے جو ان کی زندگیوں اور روزگار پر اثر انداز ہوتا ہے اور جو زرعی اور آبی وسائل کی ترقی کی ترجیحات کا تعین کرتا ہے ؛

☆ کسانوں اور ماہی گیروں کو یہ حق حاصل ہے کہ حکومت انہیں بیرونی زرعی اور آبی مفادات کی جارحیت کے خلاف اور دوسرے ممالک کے ساتھ غیر مساویانہ تجارت اور معاشی تعلقات کے اثرات کے خلاف تحفظ دے ؛

☆ کسانوں ، ماہی گیروں اور زراعتی مزدوروں کو اپنے وسیلہ روزگار کو اپنائے رکھنے اور اپنے سماجی گروہ کو قائم رکھنے کا حق ہے اور انہیں ضروری مداخل رعایتی بنیادوں پر فراہم کئے جانے چاہئیں ؛

☆ کسانوں اور ماہی گیروں کا حق ہے کہ انہیں اپنی

پیداوار کی مقررہ /ضمانت شدہ قیمت ملے ؛

- ☆ تمام لوگوں کو نفع بخش اور بامقصد کام کرنے کا حق ہے ؛
- ☆ مزدوروں کا حق ہے کہ انہیں ایک منصفانہ اُجرت ملے جس سے وہ اور ان کے زیرِ کفالت افراد ایک مناسب معیارِ زندگی قائم رکھ سکیں جو ان کے باحیثیت انسان احترام کو قائم رکھے ؛
- ☆ مزدوروں کو یہ حق حاصل ہے کہ انہیں منصفانہ اور مہربان حالات کار اور کام کے لئے محفوظ اور صاف ماحول ملے ؛
- ☆ مزدوروں کا حق ہے کہ انہیں صنف، نسلی گروہ یا سماجی مرتبے کی بنیاد پر کسی امتیاز کے بغیر مساوی کام کے لئے مساوی اُجرت ملے ؛
- ☆ مزدوروں کا حق ہے کہ انہیں ملازمت کا تحفظ ملے ؛
- ☆ مزدوروں کو حق حاصل ہے کہ وہ منظم ہوں اور یونین سازی کریں۔

ایشیائی انسانی حقوق کمیشن نے کسانوں اور مزدوروں کے انسانی حقوق کی پامالی کو روکنے کے لئے درجِ ذیل حل بھی تجویز کئے ہیں:

1- سماجی اور سیاسی حل

وہ افراد یا گروہ جو حقوق کی پامالی کا شکار ہوتے ہیں انہیں اپنے منتخب نمائندوں اور دوسرے اداروں مثلاً انسانی حقوق کمیشن وغیرہ ، میڈیا اور رائے عامہ کے دوسرے ذرائع تک آسان رسائی حاصل ہونی چاہیئے ۔ ایسے افراد، اداروں اور تنظیموں تک رسائی آسان، محفوظ اور بے روک ٹوک ہونی چاہیئے ۔ مقامی اور قومی سطح کے عوامی نمائندوں کو عوام کے لئے ہر وقت دستیاب ہونا چاہیئے ۔

حقوق کی پامالی کے خلاف عوام کی طرف سے انفرادی طور پر ، چھوٹے گروپوں کی شکل میں یا عوامی تحریک کی صورت میں تخلیقی اور غیر متشدد اقدامات سب سے مؤثر حل ہوتے ہیں ۔ غیر متشدد نگرانی، اجلاس، جلوس، بھوک ہڑتالیں اور دوسری سرگرمیاں مثلاً دستاویزات کی تیاری ، قانونی مدد ، فوری مدد فراہم کرنا، تحفظ فراہم کرنا جیسے اقدامات حقوق کے تحفظ کے لئے کئے جاسکتے ہیں۔ مقامی ،علاقائی اور بین الاقوامی ہاٹ لائنز قائم کی جانی چاہئیں جو حقوق کی پامالی کی اطلاع فراہم کریں اور خبردار کریں۔ حقوق کی پامالی کے خلاف حل کے طور پر درجِ ذیل ابلاغی مہموں کو ترجیحی حیثیت دی جانی چاہیئے :

☆ غیر ملکی قرضوں کا خاتمہ
☆ ماحول کا تحفظ
☆ ہر قسم کی بے خانمائی کے خلاف تحفظ
☆ روزگار کی فراہمی

☆ سول اور انتظامی مشینری کی اصلاح تاکہ انصاف اور تحفظِ حقوق کی ضمانت دی جاسکے ؛

☆ فیصلہ سازی کے عمل میں شمولیت

قحط سے خبردار قحط سے خبردار

قحط سے خبردار

ایشیائی انسانی حقوق کمیشن ہنگامی اپیل پروگرام

25 مئی 2006

HA-06-2006:پاکستان: حکومت کی لاپرواہی کی وجہ سے ضلع تھرپارکر کے قحط زدہ علاقے میں ہزاروں افراد غذائیت سے محروم

عزیز دوستو!

ایشیائی انسانی حقوق کمیشن کو گزشتہ دس ماہ کے دوران قحط سے متاثرہ تھرپارکر کے علاقے میں بھوك اور غذائیت کی کمی کے شکار ہزاروں لوگوں کے مصائب کے بارے میں اطلاعات ملی ہیں- خشك سالی اس علاقے میں عام واقعہ رہی ہے اور اگرچہ ملك میں بہت سے سماجی بہبود اور امداد کے پروگرام موجود ہیں مگر گائوں کے لوگوں کو کسی بھی قسم کی امداد نہیں ملی ہے - ہر روز قحط کی صورتِ حال مزید بگڑتی جارہی ہے کیونکہ خشك سالی کی وجہ سے لوگ اپنے ذریعہ روزگار سے محروم ہو رہے ہیں -تھرپارکر میں ہونے والے موجودہ قحط کی وجہ سے بہت سے لوگ غذائیت

کی کمی اور بھوک سے متعلقہ بیماریوں کا شکار ہو رہے ہیں ۔گائوں کے لوگ اپنے جانوروں کا دودھ خوراک کے بنیادی ذریعے کے طور پر استعمال کرتے ہیں لیکن خشک سالی کی وجہ سے بہت سے جانور مر گئے ہیں اور دودھ کی پیداوار بہت گھٹ گئی ہے ۔ مویشی اس ضلع کی معیشت کا تقریباً 80 فیصد حصہ ہیں اور جانوروں کی کمی نے گائوں والوں کی قوتِ خرید بھی بہت کم کردی ہے ۔ اس طرح گائوں کے لوگ نہ تو مویشی بانی کے ذریعے اپنی خوراک کی ضروریات پوری کرسکتے ہیں نہ ہی منڈیوں سے اپنے لئے خوراک خرید پاتے ہیں ۔ علاقے میں پینے کا پانی بھی دستیاب نہیں ہے کیونکہ زیادہ تر کنوئیں خشک ہو گئے ہیں ۔اس وجہ سے غذائیت کی کمی کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے اور کم عمر بچے ، بوڑھے اور حاملہ عورتیں خصوصاً اس خطرے کا شکار ہیں ۔

خشک سالی نے ان لوگوں کی زندگی کے دوسرے شعبوں کو بھی متاثر کیا ہے ۔ تھرپارکر میں خوراک ، پانی اور آمدنی کی کمی کی وجہ سے بڑی تعداد میں لوگ یہاں سے باہر ،ملک کے دیگر علاقوں کی طرف نقل مکانی کررہے ہیں ۔ ایک اندازے کے مطابق اپریل 2006ء کے آخر تک گائوں کے کل 1,200,000 لوگوں میں سے 42 فیصدلوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر چلے گئے تھے ۔ اس کی وجہ سے عورتوں اور بچوں میں عدم تحفظ مزید بڑھ گیا ہے ۔سکول چھوڑ کر بھاگ جانے والے بچوں کی تعداد میں 10 فیصد اضافہ ہوا ہے جو اب ملازمتوں کی

تلاش میں ہیں اور مزدوری کی شرح کم ہوئی ہے۔
19 دسمبر 2005ء کو حکومتِ سندھ نے ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے اعلان کیا کہ پورے ضلع تھرپارکر کو آفت زدہ علاقہ قرار دے دیا گیا ہے، لیکن متاثرہ علاقے میں ابھی تک کوئی امدادی اقدامات نہیں کئے گئے ہیں۔ اس بے عملی کا اظہار اسلام آباد میں حال ہی میں ہونے والے سالانہ منصوبہ بندی کوآرڈینیشن کمیٹی کے اجلاس میں ہوا جسے خشک سالی سے متاثرہ علاقہ کے لئے امدادی اقدامات کے دوسرے مرحلے کے لئے فنڈز کی منظوری دینی تھی۔ پہلا مرحلہ حال ہی میں مکمل کیا گیا اور اسے عالمی بنک اور ایشیائی ترقیاتی بنک نے خشک سالی سے متاثرہ علاقوں میں قلیل مدتی ترقیاتی سکیموں کی فراہمی کے حوالے سے اطمینان بخش قرار دیا۔ تاہم اس امدادی پروگرام میں سے کوئی بھی امداد تھرپارکر کے لوگوں تک نہیں پہنچی ہے۔

مزید معلومات

حالیہ برسوں میں اس ضلع میں خشک سالی تشویشناک رہی ہے۔ 1990ء سے تھر کے لوگوں نے 11 مرتبہ خشک سالی کا سامنا کیا ہے۔ ضلعی انتظامیہ نے بارہا تجویز پیش کی ہے کہ سندھ حکومت متاثرہ علاقوں کو امداد فراہم کرے لیکن حکومت نے خشک سالی کے صرف چند ایک واقعات کو تسلیم کیا۔ خشک سالی کے اس

موسم میں حکومتِ سندھ نے دس میں سے صرف دو ماہ میں رعایتی نرخوں پر گندم فراہم کی اور تمام زرعی ٹیکس اور جرمانے اب بھی اسی طرح جاری ہیں باوجود اس کے کہ یہ علاقہ آفت زدگی کی حالت میں ہے ۔ کسی حد تک مسئلہ اس طریقِ کار کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے کسی علاقے کو قحط زدہ قرار دیا جاتا ہے ۔ حکومتِ سندھ کو مقامی حکومت کی طرف سے بھیجے گئے نوٹیفکیشن کی منظوری دینے میں تین سے آٹھ ماہ لگتے ہیں اور امداد فراہم کرنے کے لئے تو مزید وقت درکار ہوتا ہے ، اور اس درمیانی مدت میں غذائیت کی کمی مزید بڑھ جاتی ہے ۔

کئی سول سوسائٹی تنظیمیں اکٹھی ہوئی ہیں تاکہ ان مسائل کو حل کیا جائے اور علاقے کو قحط زدہ قرار دینے اور امداد فراہم کرنے کا ایک بہتر نظام ترتیب دیا جائے ۔ ان تنظیموں کی طرف سے تیار کئے گئے مسودوں اور تجاویز میں جو وزیر اعظم، وزیرِ اعلیٰ اور سندھ حکومت کے دیگر بہت سے حکام تک کو پیش کی جاچکی ہیں درجِ ذیل نکات شامل ہیں:

- سندھ کے آفت زدگی ایکٹ 1958ء میں ترمیم کی جائے اور اسے قحط اور آفات پالیسی کے طور پر نئے سرے سے ترتیب دیا جائے ؛
- ضلعی حکومت کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ بروقت کسی بھی علاقے کو آفت زدہ علاقہ قرار دے سکے۔

- حکومتِ سندھ اور وفاقی حکومت کے سالانہ بجٹ میں خصوصی فنڈ مختص کیا جائے اور ضلعی حکومتوں کو فنڈز استعمال کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے ۔
- یونین کونسل کے رہنمائوں کواپنی متعلقہ یونین کونسل میں امدادی سامان تقسیم کرنے کا اختیار ہونا چاہیئے ۔
- ضلعی اور صوبائی سطح پر آفات کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے ایک علیحدہ محکمہ تشکیل دیا جانا چاہیئے ۔

مجوزہ اقدام

برائے مہربانی درجِ ذیل متعلقہ حکام کولکھئے کہ تھرپارکر میں خشک سالی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے قحط کی صورتِ حال کی تحقیقات کی جائیں۔ متاثرہ لوگوں کو فوری طور پر خوراک اور امدادی اشیاء فراہم کی جائیں ۔ اس کے علاوہ خشک سالی کا شکار علاقوں میں اٹھائے جانے والے اقدامات میں تبدیلی کی جانی چاہیئے ۔
برائے مہربانی درجِ ذیل سرکاری حکام سے مطالبہ کیجئے کہ وہ آفت زدہ علاقوں میں کئے گئے اقدامات کا جائزہ لیں اور ضلعی حکومت کو اختیارات دیں اور فنڈز فراہم کریں تاکہ وہ مناسب اور بروقت امداد فراہم کرسکیں ۔

مجوزہ خط:ایشیاء میں حقوقِ خوراک اور قانون کی حکمرانی کے لئے مستقل عوامی ٹریبونل ایشین لیگل ریسورس سینٹر کا ایک

پراجیکٹ ہے ۔

2- قانونی حل

ایشیائی انسانی حقوق کمیشن کے مطابق ، زیادہ تر ممالک کے آئین میں حقوق کی جو فہرست شامل کی گئی ہے وہ بہت کم مؤثر ہو گی اگر ان حقوق کے نفاذ کے لئے مطلوبہ مشینری موجود نہ ہو ، اور اگر ان کی نگرانی عدلیہ خود نہ کرتی ہو ، جس کے پاس حتمی تادیبی اختیار ہونا چاہیئے ۔ سماجی اقدام کے طور پر عدالتی چارہ جوئی (جسے مفادِ عامہ کی عدالتی چارہ جوئی بھی کہا جاتا ہے) کے تصور کو فروغ دینا حقوق کے نفاذ کے سلسلے میں ایک مستحکم پیش رفت ہو گی ۔ ایسے طرزِ عمل اختیار کئے جانے چاہئیں۔

قوانین میں ٹیکنالوجی کی ترقی کے پیشِ نظر مطابقت پیدا کی جانی چاہیئے ، تاکہ انسانی حقوق کی پامالی کے واقعات میں فوری اقدامات ممکن ہو سکیں۔ ناقص قوانین اور قواعد گمشدگیوں، غیر قانونی حراستوں، زمین اور مکانات سے جبری بے دخلیوں اور حقوق کی کئی دوسری پامالیوں کی وجہ بنتے ہیں جن کی حقیقتاً روک تھام کی جاسکتی ہے اگر ان معاملات کا مناسب عدالتی نوٹس لیا جائے ۔ انسانی حقوق کی پامالی سے نمٹنے کا اختیار اعلیٰ عدالتوں کے ساتھ ساتھ چھوٹی عدالتوں کو منتقل کیا جانا چاہیئے تاکہ شہری مراکز سے دور علاقوں میں رہنے والے لوگوں

کو بھی یہ سہولتیں میسر آ سکیں ۔ اس کے علاوہ عدالت تک رسائی کے لئے صرف یہ شرائط نہیں ہونی چاہئیں کہ عدالتی فیس پیشگی ادا کی گئی ہو اور وکیل کی خدمات اس کی اپنی شرائط کے مطابق حاصل کی گئی ہوں۔ ریاستی اقدام کے معاملات میں مخالفانہ عدالتی چارہ جوئی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کیونکہ اس میں اصولی طورپر فریقین برابر حیثیت کے مالک نہیں ہوتے ۔ ایسی شکایات درج کرانے کے سلسلے میں قانوناََ وقت کی کوئی قید مقرر نہیں کی جانی چاہیئے ۔

بہت سے ایشیائی ممالک میں عموماََ فوج، پولیس اور نیم فوجی اداروں کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے پر قانونی کارروائی سے استثنیٰ حاصل ہوتا ہے ۔ یہ استثنیٰ انسانی ضمیر کے منافی ہے ۔ اس سے قانون نافذ کرنے والے اداروں میں لاقانونیت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور نفرت کو ہوا ملتی ہے ۔ آئین اور قانون میں موجود ایسی شقوں کو منسوخ کیا جانا چاہیئے ۔

فوج کا اراضی پر کنٹرول

پاکستان میں سماجی نا انصافی کی سب سے بڑی شکل اور عام غربت کی ایک بڑی وجہ فوج کا اراضی پر کنٹرول ہے ۔ جاگیردار طبقے کی طرح فوج بھی ملک کی غریب مقامی آبادی کا کوئی

لحاظ کئے بغیر اپنی طاقت کو استعمال کر کے اراضی کی اپنے لوگوں میں تقسیمِ نو کرتی رہی ہے:

1- بہاولپور میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بے زمین کسانوں نے بڑی محنت سے جس زمین کو قابلِ کاشت بنایا وہ فوجی افسر شاہی میں تقسیم کے لئے چھین لی گئی ۔ نواز آباد کے علاقے میں حکومت نے تقریباً 2,500 ایکڑ اراضی مختلف فوجیوں میں تقسیم کی ۔سینکڑوں بے زمین کسانوں کو سرکاری زمینوں سے کئی برس تک ان پر قابض رہنے کے بعد ، بے دخل کردیا گیا ۔ ایک انٹرویو میں ان کسانوں نے اس زمین سے بغیر کسی شنوائی کے بے دخل کئے جانے کے خلاف احتجاج کیا جسے انہوں نے بہتر بنایا تھا اور ریگستان سے قابلِ کاشت بنایا تھا ۔ جب وہ اپنا مقدمہ عدالت میں لے کر گئے تو فوج کے جونیئر افسروں نے انہیں دھمکیا ں دیں، قانون کا مذاق اڑایا اور کسانوں سے کہا کہ عدالت بھی انہیں فوج کے اختیار سے نہیں بچا سکتی ۔ نواز آباد کے دیہاتیوں کیلئے جاگیر دار اور اقتدار پسند فوج میں کوئی فرق نہیں تھا ۔ایک مقامی عورت نے بڑی تلخی سے مطالبہ کیا ”اگر ہمارے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے تو حکومت کو چاہیئے کہ ہمیں ایک ٹرک میں ڈال کر ہندوستان پہنچا دے ۔“

2- اوکاڑہ میں مقامی مزارعین اور فوج کے درمیان ایک تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ فوج نے یکطرفہ طور پر معاہدے کی شرائط

کو پٹے پر کاشتکاری سے بدل کر نقد کرائے میں بدل دیا ۔ پٹے پر کاشتکاری میں مزارعین اور مالک یا جو کوئی بھی اراضی کو کنٹرول کرتا ہے ، کو مداخل اور پیداوار دونوں میں حصہ ملتا ہے ، نقد کرائے پر زمین لینے کا مطلب یہ ہے کہ زمین کاشت کرنے کے بدلے نقد رقم ادا کرنا ہو گی - پٹے پر کاشتکاری کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ کاشتکار کا حقِ ملکیت قانون میں تسلیم شدہ ہے ۔ اوکاڑہ فارم کے کاشتکاروں کو ،جو کئی دہائیوں سے اس اراضی پر رہ رہے تھے اور اس پر کاشتکاری کررہے تھے ، ڈر تھا کہ نئے انتظامات کے تحت فوج کو جو اس اراضی کی مالک بھی نہیں ہے، مزارعین کو اپنے گھروں سے بے دخل کرنے کا اختیار مل جائے گا ۔

اوکاڑہ فارمز گروپ اوکاڑہ اور رینالہ کے ملٹری فارمز گروپ کا حصہ ہیں، جس میں دو ڈیری فارموں اور سات ملٹری فارموں اور 22 دیہات پر مشتمل 16,627 ایکڑ اراضی شامل ہے ۔ اس کی ملکیت زیادہ تر پنجاب حکومت کے پاس ہے جو اس اراضی کو دوسرے لوگوں یا اداروں کو پٹے پر دیتی ہے ۔ اوکاڑہ فارمز کے معاملے میں فوج نے اس اراضی سے متعلق معاہدے کی شرائط میں تبدیلی کردی جو اس کی ملکیت نہیں تھی۔ اس کے اختیار کو نافذ کرنے لئے رینجرز نے دو مرتبہ دیہات کا محاصرہ کیا ، کرفیو نافذ کیا ، نقل و حرکت پر قد غن لگا دی ، دوائوں ، اناج اور سبزیوں کی ترسیل روک دی ، اور دبائو

ڈالنے کے بہت سے دوسرے حربے اختیار کئے - ہیومن رائٹس واچ کی رپورٹ میں فوجی حکام کے ہاتھوں دیہاتیوں پر ظلم کی تفصیلات موجود ہیں جو احتجاج کو نظر انداز کررہے تھے -فوجیوں نے دعویٰ کیا کہ یہ انسانی حقوق کا مسئلہ نہیں بلکہ مقامی امن وامان کا مسئلہ ہے جسے بعض این جی اوز نے ہوا دی ہے -

اوکاڑہ فارمز کے معاملے پر تبصرہ کرتے ہوئے ، اس وقت کے ڈائریکٹر جنرل آئی ایس پی آر ، میج ر جنرل شوکت سلطان نے کہا :

” فوج اپنی ضرورتوں کا تعین خود کرے گی اور /یا حکومت خود اس کا فیصلہ کرے گی - کسی اور کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ فوج 5,000 ایکڑ یا 17,000 ایکڑ اراضی کا کیا کرے گی - فوج اپنی ضرورتوں کا تعین خود کرے گی-“

3- ماہی گیروں کا ایک چھوٹا سا گائوں مبارک جو ساحلِ سمندر کے ساتھ سندھ اور بلوچستان کی سرحد پر واقع ہے ، ایک زمانے میں دیہاتیوں کی ملکیت تھا - اب پانچ برس سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا ہے کہ ان کی زمین آہستہ آہستہ ان کے پیروں کے نیچے سے کھینچی جارہی ہے - ان کے خاندان کئی پشتوں سے وہاں امن و امان کے ساتھ رہ رہے تھے مگر اب نہیں - چند سال پہلے کسانوں نے محسوس کیا کہ وہ اپنی زمینوں پر آزادی سے نقل و حرکت نہیں کر سکتے - پاکستان نیوی نے مبارک گائوں کے رہنے والوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے آپ کو ایک مختصر

علاقے تک محدود کر لیں ۔ مگر صرف یہی پابندی نہیں تھی ۔ ان سے یہ بھی کہا گیا کہ وہ اپنی زمینوں پر مکانات نہ بنائیں کیونکہ قریبی زمین نیوی کی نشانہ بازی کی مشقوں کے علاقے کی حدود میں آتی ہے ۔ گائوں والوں کا کہنا ہے کہ نیوی نے اپنا وعدہ توڑ دیا اور اپنی حد کو اس مقام سے آگے تک توسیع دے دی جسے نیوی نے پہلے اپنی توسیع کی حد ہونے کا یقین دلایا تھا ۔ دراصل پاکستان نیوی مسلسل اپنی حدود میں توسیع کررہی ہے باوجود اس کے کہ موجودہ قواعد میں نیوی کی کسی چھائونی کی گنجائش موجود نہیں ہے۔ دریں اثناء دیہات کے لوگ اپنے حق کے لئے آواز اٹھانے کے قابل نہیں ہیں، نہ تو انہیں قانون کا علم ہے اور نہ ہی ان کے پاس قانونی کارروائی کے لئے پیسے ہیں ۔ **(19)**

4.4 ریاست کی ذمہ داری

آئینِ پاکستان کے مطابق انسانی حقوق ، بشمول کسانوں ، مزدوروں ، عورتوں اور بچوں کے حقوق کے تحفظ اور فروغ کی بنیادی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے ۔ ریاست یا اس کے اداروں کی طرف سے لوگوں کے معاشی ، سماجی ،سیاسی اور ثقافتی ترقی کے حق کی نفی نہیں کی جانی چاہیئے۔ ریاست کو آزاد سیاسی عمل رائج کرنا چاہیئے جس میں مختلف گروہوں کے حقوق اور فرائض تسلیم کئے

جائیں اور افراد اور سماجی گروہوں کے مفادات کے درمیان توازن قائم کیا جائے ۔ جمہوری اور جوابدہ حکومتیں حقوق کے تحفظ اور فروغ کے سلسلے میں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں ۔

یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ فوج کی اعلیٰ قیادت اب بند کمروں میں یہ اعتراف کرنے لگی ہے کہ گزشتہ چھ برسوں کے دوران غربت کے مسئلے کو مؤثر انداز میں حل نہیں کیا جا سکا۔ منصوبہ بندی کمیشن ان اقدامات پر غور کررہا ہے جو آمدنی کی بہتر تقسیم اور روزگار کے بہتر مواقع کو یقینی بنا سکیں ۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بجٹ تیار کرنے والے حکومت سے مطالبہ کررہے ہیں کہ وہ " غربت کو کم کرنے کے لئے تنخواہوں میں اضافہ کرے اور اراضی مستحق لوگوں میں تقسیم کرے۔" یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ اب حکومت اراضی کی تقسیم پر غور کررہی ہے اور ملکیت اراضی سے متعلق اصلاحات جیسی دیگر اصطلاحات، بعض امیر طبقات میں بھی تیزی سے رواج پارہی ہیں ۔ تاہم اہم سوال یہ ہے کہ حکومت کے نزدیک زرعی اصلاحات سے کیا مراد ہے ، بعض "ماہرین" جو زرعی اصلاحات کی بات کررہے ہیں وہ اس سے کیا مراد لیتے ہیں اور کون سی زرعی اصلاحات واقعی غربت میں کمی لاسکیں گی اور مجموعی ترقی کا آغاز کرسکیں گی ۔**(21)**

4.5 حکومت کا رد عمل

ترقی اقدامات کی ایک طویل فہرست ہے جو حکومت ، پالیسی سازوں اور منصوبہ سازوں کی طرف سے بڑے جوش و خروش سے شروع کئے گئے تھے لیکن وہ اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل نہ کرسکے ۔ 1960 ء کی دہائی میں کھیتی باڑی میں مشینوں کا استعمال اور سبز انقلاب کی ٹیکنالوجی کو اپنانا، 1970 ء کی دہائی میں زراعت کی ترقی کے لئے امدادی اقدامات مرحوم وزیرِ اعظم جونیجو کا پانچ نکاتی پروگرام ، پیپلز پروگرام، سوشل ایکشن پروگرام ، تعمیرِ وطن پروگرام اور تازہ ترین خوشحال پاکستان پروگرام ، ترقیاتی پہل قدمیوں کی چند مثالیں ہیں جن سے در اصل غریبوں کی بجائے کاروباری طبقے اور بڑے زمینداروں کو فائدہ پہنچا۔

حکومت وقتاً فوقتاً مطالعے اور تجزیے کے لئے کمیشن ، کمیٹیاں اور ٹاسک فورس قائم کرتی رہتی ہے جو زرعی شعبے کی بہتری اور ترقی کے لئے اقدامات تجویز کرتے ہیں ۔ مگر ان کی بنیادی توجہ کسانوں اور دیہی مزدوروں کی زندگی بہتر بنانے کی بجائے زرعی پیداوار بڑھانے پر تھی ۔ تاہم وہ اس بات سے واقف تھے کہ کسانوں اور زرعی مزدوروں کی خراب صحت اور بُرے حالاتِ گزراوقات زرعی پیداوار میں اضافے کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

4.6 قومی کمیشن برائے زراعت کے لئے تجاویز

قومی کمیشن برائے زراعت نے ، جو 1988 ء میں حکومتِ پاکستان کی وزارتِ خوراک و زراعت کی طرف سے قائم کیا گیا تھا ، غریب کسانوں کے حالات کو بہتر بنانے اور بے زمین دیہی مزدوروں کے ذرائع روزگار میں اضافہ کرنے کے لئے کئی تجاویز پیش کی تھیں جن پر ابھی تک پوری یکسوئی سے عمل نہیں کیا گیا ۔

کمیشن کی رپورٹ کے مطابق چھوٹے کسانوں کو ،جو کھیتی باڑی کرنے والے لوگوں کی سب سے بڑی تعداد ہیں،پر خصوصی توجہ دی جانی چاہیئے تاکہ وہ زراعت کی ترقی میں حصہ لے سکیں اور اس سے فائدہ اٹھا سکیں ۔ چھوٹے کسان صرف وہی نہیں ہیں جن کی ملکیتِ اراضی کم ہے بلکہ بہت سے وہ عوامل ہیں جو ان کی پیداوار اور آمدنی حاصل کرنے کی صلاحیت کو محدود کردیتے ہیں ۔ ان میں ملکیتِ اراضی ، قرضوں اور دوسرے اہم مداخل تک رسائی ، ملازمتوں اور آمدنی کے متبادل ذرائع اور نئی ٹیکنالوجی حاصل کرنے اور اپنانے کی صلاحیت اور اس پر رضامندی شامل ہیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ دیہات کے بے زمین مزدوروں کے لئے روزگار کے مواقع پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو اس وقت غربت کی نچلی ترین سطح پر ہیں ۔

رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ کمیشن اس اہم نتیجے پر پہنچا کہ

کسانوں اور دیہی لوگوں کی عام آدمی کی سطح کی تنظیمیں قائم ہونی چاہئیں تاکہ وہ اپنے مشترکہ مسائل کے حل کے لئے اور، اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ، خصوصاً بے لگام سرکاری حکام ، تاجروں اور ساہوکاروں سے معاملہ کرتے ہوئے انکے ناحق جبر سے بچنے کے لئے اجتماعی اقدامات کرسکیں۔ اس مقصد کے لئے کسانوں کی مضبوط کاروباری بنیادوں پر کوآپریٹوز منظم کرنے میں مدد کی جانی چاہیئے ۔ مقامی حکومتوں کے نظام کو مزید غیر مرکوز کرنے کی ضرورت ہے تاکہ کسانوں کے قریب ترین ادارے قائم ہو جائیں جو ان کی حقیقی ضرورتوں کی نشاندہی کرسکیں اور انہیں سمجھ سکیں اور کسانوں کو ان کے اپنے مسائل کے حل کے لئے متحرک کرسکیں ۔

کمیشن کی سفارشات درجِ ذیل ہیں :

1-کم لاگت والی ٹیکنالوجی : اس بات کی اشد اور فوری ضرورت ہے کہ کم لاگت والی زرعی ٹیکنالوجی تلاش کی جائے جوکہ اس وقت بہت مہنگی ہے اور کسانوں کی مالی استطاعت سے باہر ہے ۔

2-فصلوں کی ترتیب: اس وقت فصلیں جس ترتیب سے اُگائی جارہی ہیں ان سے چھوٹے کسانوں اور مزارعوں کواپنے بڑھتے ہوئے کنبوں کے لئے کافی آمدنی حاصل نہیں ہوتی ۔ اس بات

کی فوری ضرورت ہے کہ فصلوں کی مناسب ترتیب اختیار کی جائے تاکہ چھوٹے کسان اور مزارعے اپنے اخراجات پورے کرسکیں۔

3-تجارت کے اصول و ضوابط: آزادی کے بعد سے اب تک شرحِ مبادلہ ، تجارت اور قیمتوں کے تعین کی پالیسیاں مقامی سطح پر قیمتوں کو برقرار رکھنے ، شہری غریبوں کو تحفظ دینے ، ادائیگیوں کے توازن کو برقرار رکھنے اور صنعتوں کو ترغیبات کے پیشِ نظر تیار کی جاتی رہی ہیں ۔ اب یہ بات اعدادو شمار سے ثابت ہو چکی ہے کہ زراعت کے شعبے سے وسائل کی دوسرے شعبوں کو منتقلی کی شرح بہت زیادہ رہی ہے ۔ تجارت کے اصول و ضوابط کو دیہات میں متنوع مواقع پیدا کرکے ، زرعی پیداوار میں زیادہ قیمت والی فصلوں پر توجہ بڑھا کر، اور مارکیٹ کی سہولیات بہتر کرکے، زراعت کے حق میں کیا جاسکتا ہے ۔

4-تجارتی مراکز (کسان بازار): چھوٹے کسان یا مزارعین دور دراز جگہوں سے مداخل لانے کے اضافی اخراجات برداشت نہیں کرسکتے ۔ اس لئے مداخل کی فراہمی کے لئے ہر یونین کونسل میں ایک تجارتی مرکز کا ہونا ضروری ہے ۔

5-دیہات میں رہائشی سہولیات: چھوٹے کسانوں ، مزارعین،

بے زمین مزدوروں کی زندگی کی صورتِ حال پریشان کن حد تک بڑی ہے ۔دیہی علاقوں میں ہر چیز کی شدید کمی ہے : ملازمتوں کی ، سہولیات کی ، خدمات کی ، اورمواقع کی ۔ نتیجہ یہ ہے کہ جوان اور پُر عزم لوگ دیہات سے نکل کر پہلے سے ہی کھچا کھچ بھرے ہوئے شہروں کی طرف جا رہے ہیں اور یہاں کچی آبادیاں بنا رہے ہیں ۔ اگر اس مسئلے پر فوری توجہ نہیں دی جاتی تو دیہی علاقے اپنے تعلیم یافتہ اور پیشہ ورانہ تربیت کے حامل افراد سے محروم ہو جائیں گے ۔

6-زرعی اصلاحات : سرکاری اراضی کی چھوٹے کسانوں اور بے زمین مزارعین میں تقسیم کرنے کے لئے اقدامات کئے جانے چاہئیں تاکہ چھوٹے رقبے والی املاک کو بڑھایا جاسکے۔ مزارعوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے قوانین پر سختی سے عمل کیا جانا چاہیئے اور اشتمال اراضی کے عمل کو تیز تر کیا جانا چاہیئے ۔

7-خصوصی رعایتیں : پالیسی کے ایک حصے کے طور پر چھوٹے کسانوں کے لئے قرضوں ، کھادوں ، پانی اور امدادی قیمتوں کے نظام میں بڑے پیمانے پر رعایتیں موجود ہونی چاہئیں ۔

8-تنوع پیدا کرنا: مویشی بانی اور خصوصی فصلوں کی پیداوار

(مثلاً پھل، سبزیاں ، مصالحے) آمدنی میں اضافے اور ملازمتوں کے مواقع بڑھانے کے لئے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں - مویشی بانی کی صنعت اور فصلیں اُگانے کے درمیان مؤثر امتزاج چھوٹے کسانوں کی آمدنی میں مزید اضافہ کر سکتا ہے - چھوٹے کسانوں کی مختلف پیشوں میں تربیت کے لئے مناسب انتظامات کئے جانے چاہئیں تاکہ وہ اپنی آمدنی کے ذرائع میں تنوع پیدا کر سکیں-

9-شعور و آگہی : زرعی اور دیہی ترقی کے بارے میں ریڈیو اور ٹی وی پروگراموں میں چھوٹے کسانوں کے حقوق اور دیہی معیشت میں ان کے کردار کو اُجاگر کیا جانا چاہیئے اور مقامی ترقیاتی سرگرمیوں میں ان کی شمولیت کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیئے-

کمیشن نے اس بات پر زور دیا ہے کہ چھوٹے کسانوں کی پیداواری صلاحیت کو بڑھانے اور چھوٹے کسانوں اور بے زمین مزدوروں کو اپنے مسائل کے حل کے لئے منظم کرنے کے مقاصد کے حصول کے لئے گہری سیاسی لگن کی ضرورت ہے -

ہندوستان میں غریب دیہاتی آبادی

مغربی بنگال میں ترمیم شدہ قوانین ، سیاسی عزم اور باصلاحیت اداروں جیسے عوامل نے مل کر 15لاکھ کاشتکاروں کوآمادہ کیا کہ

وہ اپنے نام رجسٹر کرائیں اور جس زمین پر وہ کاشتکاری کرتے ہیں اس پر اپنے حق کے لئے آواز اٹھائیں۔ بہار میں عورتوں نے ورک گروپ قائم کئے۔ اس کے نتیجے میں وہ جس زمین پر کاشت کرتی ہیں اس کی آمدنی اور پیداوار میں زیادہ حصہ لیتی ہیں ۔

آندھرا پردیش میں قانون کے طلباء کی طرف سے فراہم کی گئی قانونی امداد سے ملکیتِ اراضی کے وہ مقدمات نمٹائے جارہے ہیں جو برسوں سے زیر التوا تھے ۔ یہ بالکل ابتدائی کوششوں کی صرف چند مثالیں ہیں۔ زمین سے متعلق وہ مسائل جنہیں مناسب اقدامات کے ذریعے آگے بڑھایاجا سکتا ہے بہت زیادہ ہیں۔ سماجی گروہ جو اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں ان کی تعداد بہت بڑی ہے ۔ اور ان پہل قدمیوں سے ہندوستان کے غریب دیہاتیوں کی زندگیوں کے لئے ٹھوس اور مثبت نتائج نکلنے کے امکانات بہت وسیع ہیں ۔

5-اختتامیہ اور تجاویز

5.1قومی پالیسی برائے املاکِ اراضی

معیشت میں زمینی املاک کی مرکزی حیثیت ، زمین کے مسئلے کی سماجی اور ثقافتی پیچیدگی ، خاص طور پر یہ حقیقت کہ ملکیتِ اراضی کے تعلقات ہی سماجی تعلقات ہوتے ہیں، اور حکمرانی کا وہ مجموعی خاکہ جس میں زمین سے متعلق مسائل اُٹھتے اور حل کئے جاتے ہیں، اہم حیثیت رکھتے ہیں ۔ دوسرے ، ان مائیکرو اور میکرو معاشی پالیسیوں کا جائزہ لیا جانا چاہیئے جو ملکیت اراضی کے شعبے پر اثر انداز ہوتی ہیں ۔ ان میں زراعت ، غربت میں کمی ، صنعتی ترقی ، ماحولیات ، بنیادی ڈھانچے کی ترقی اور شہروں کا پھیلائو شامل ہیں ۔ ایک دانشمندانہ قومی پالیسی برائے اراضی، جس کی بنیاد وسیع تر مشاورتی عمل پر ہو ، بنیادی سیاسی اہمیت کا مسئلہ ہے ۔ پالیسی برائے ترقی اراضی کے حتمی مقاصد درجِ ذیل ہونے چاہئیں :

☆ ہر قسم کے امتیازی طریقوں کو ختم کیا جائے جن سے اراضی تک رسائی ، کنٹرول اور
حقوقِ ملکیت کی منتقلی کا تعین ہوتا ہے ؛

☆ اراضی کے مختلف استعمالات ، اور ماحولیاتی حالات کے مطابق اس کی تقسیم میں زیادہ سے زیادہ املاک کی حد

مقرر کرکے برابری کو یقینی بنائے ؛

- ☆ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ سرکاری اراضی ، مشترکہ اراضی اور تاریخی ورثے کی زمین سیاسی طبقات کے قبضے میں نہ چلی جائے ۔
- ☆ خواتین ، اقلیتوں اور محروم طبقات کے حقوق کو تسلیم کیا جائے اور مستحکم کیا جائے ؛
- ☆ زمین کی ملکیت سے متعلق تنازعات کے حل کے لئے معاشرے کو ہر سطح پر راستے مہیا کئے جائیں ؛
- ☆ زمین کے مالک تمام طبقات کو اندرونی اور بیرونی تجاوز کرنے والوں ، قبضہ کرنے والوں اور دوسرے مخالف اداروں کی طرف سے حملوں کے خلاف تحفظ دیاجائے ؛
- ☆ زمین کے مالک مختلف سماجی گروہوں کے درمیان سماجی ہم آہنگی کو فروغ دیا جائے اور نسلی تطہیر کی روک تھام کی جائے ؛
- ☆ زمینی وسائل کی دیکھ بھال کیلئے عوام پر مبنی ادارے قائم کئے جائیں ؛
- ☆ تنازعاتِ اراضی کے پائیدار حل کے لئے سماجی اور ثقافتی طور پر قابلِ قبول نظام قائم کیاجائے ؛
- ☆ اس عمل کو مقامی رنگ دیتے ہوئے یہ بات یقینی بنائی جائے کہ اس کے نتیجے میں مقامی کرداروں کو مقامی طریقِ کار کے

تعین اور اسے چلانے کے لئے با اختیار بنائے جانے کی بجائے ریاستی اختیارات کی تحلیل نہ ہو (حقیقی فیصلہ سازی کے اختیارات کی تفویض)۔ مرکزیت کے خاتمے اور ریاستی نظام میں اختیارات کی تحلیل اور مقامی لوگوں کو ملکیت اراضی کے تعلقات کے سلسلے میں بااختیار بنانے کے درمیان فرق رکھا جانا چاہیئے ۔اور

- ☆ ایسے قدرتی وسائل کو قومیانے کا سلسلہ بند کیا جانا چاہئیے جو خوراک کی پیداوار اور ان وسائل پر تجارتی کنٹرول یا ملکیت کی روک تھام یا اسے واپس کرنے کے لئے ضروری ہیں ۔

5.2 تجویز کئے گئے اقدامات

کسانوں اور دیہی مزدوروں کے حقوقِ روزگار کے تحفظ اور فروغ کے لئے درجِ ذیل اقدامات کئے جانے چاہئیں :

- ☆ قومی پالیسی برائے اراضی تیار کی جائے تاکہ مندرجہ بالا مقاصد حاصل ہو سکیں ۔
- ☆ اراضی کے استعمال کے بارے میں ریگولیٹری اتھارٹی قائم کی جانی چاہیئے جو زمینی وسائل کو بچانے اور ان کے دانشمندانہ استعمال یعنی کاشتکاری کے علاوہ دیگر مقاصد کے استعمال (شہروں کی تعمیر ، صنعتوں کے پھیلائو ، ہوائی اڈوں اور

سڑکوں کی تعمیر وغیرہ) کا جائزہ لے تا کہ بہترین زرعی اراضی پرغیر کاشتکارانہ مقاصد کے لئے استعمال کی حوصلہ شکنی کی جا سکے ۔ یہ تجویز زرعی نقطہ نظر اور پالیسی 2004ء میں بھی پیش کی گئی تھی۔

☆ **سرکاری اراضی عوام کے فائدے کے لئے :** سرکاری اراضی عوام کے فائدے کے لئے بے زمین کاشتکاروں میں تقسیم کردی جانی چاہیئے ۔ ایک نئی قسم کے غیر حاضر زمینداروں (ریٹائرڈ یا حاضر سروس فوجی یا سول افسران) کو بنانے کا سلسلہ فوری طور پر ختم کیا جائے ۔

☆ **سماجی انصاف اور اچھی معاشی کارکردگی :** زمینی اصلاحات کا بنیادی مقصد زرعی شعبے میں سماجی انصاف اور اچھی معاشی کارکردگی کا حصول ہونا چاہیئے ۔

☆ **ملکیتی حقوق :** سرکاری اراضی سے متعلق کرایہ داری اور بندشی مشقت سے متعلق قوانین میں ترامیم کی جانی چاہئیں تاکہ مزارعین کی آزادی اور ملکیتی حقوق کو یقینی بنایا جاسکے ۔

☆ **قرضے معاف کئے جائیں :** مقروض چھوٹے کسانوں کے قرضوں کو معاف کردیا جائے تاکہ وہ کم از کم گزر اوقات کے لئے زمین کاشت کر سکیں ۔

☆ وفاقی اور صوبائی قانون ساز اسمبلیوں اورضلعی حکومتوں کی

سطح پر کمیٹیاں قائم کی جانی چاہئیں جو زمین سے متعلق مسائل پر نظر رکھیں۔

☆ کسان (مردوں اور عورتوں) کو ہر قسم کی بے خانمائی کے خلاف تحفظ دیا جانا چاہیئے ۔

☆ پٹرول ، بجلی اور دوسرے مداخل کی قیمتوں میں رد وبدل کے لئے ایک حقیقت پسندانہ اور پائیدار نظامِ کار ترتیب دیا جانا چاہیئے جس میں دیہات کے غریب لوگوں کے لئے خصوصی تحفظات موجود ہوں ۔

☆ کسانوں اور دیہی مزدوروں (عورتوں اور مردوں) کی ہر قسم کے فیصلہ سازی کے عمل میں شمولیت کو یقینی بنایا جانا چاہیئے ۔

☆ عورتوں کو وہ قائدانہ مقام دلوانے کے لئے اقدامات کئے جائیں جس کی وہ معاشی اور سماجی زندگی کا فعال حصہ ہونے اور اپنی ذہانت اورقابلیت سے فیصلہ سازی میں شامل ہونے کے ناطے سماجی برابری کی جدو جہد میں حقدار ہیں ۔

☆ کسانوں کی تنظیموں کا قیام تاکہ برابری اور سماجی انصاف، زمین کے تحفظ ، خوراک کے معاملے میں خود مختاری ، پائیدار اور چھوٹے پیمانے کی کھیتی باڑی کے ذریعے منصفانہ زرعی پیداوار پر مبنی معاشی تعلقات کو فروغ دیا جاسکے ۔

5.3 ذرائع روزگار اور ملازمتوں کے مواقع

روزگار اور ملازمتوں کے مواقع پیدا کرنے کے لئے درجِ ذیل اقدامات کئے جانے چاہئیں :

☆ محنت پر مبنی انفراسٹرکچر کی تیاری کے ایسے منصوبوں کو فروغ دینا چاہیئے جو چھوٹے اور درمیانی مدت کے ہوں اور غیر ہنر یافتہ مزدوروں سے زیادہ سے زیادہ کام لے کر ملازمتوں اور آمدنی کے مواقع پیدا کریں۔ محنت پر مبنی منصوبے کی لاگت مشینوں پر مبنی منصوبوں کے مقابلے میں 50 فیصد تک کم ہو سکتی ہے اور ان سے 20 گنا تک زیادہ ملازمتوں کے مواقع پیدا ہو سکتے ہیں۔**(23)**

☆ **مقامی تنظیموں کے معاہدے :** مقامی لوگوں کی تنظیموں اور مالی وسائل فراہم کرنے والے بیرونی ادارے کے درمیان ترقیاتی منصوبوں پر عملدرآمد کے لئے معاہدے مقامی لوگوں اور مقامی حکومتوں کے درمیان اشتراک کو فروغ دیتے ہیں ۔ اس طرح یہ مقامی لوگوں کی تنظیموں کی سماجی اور سیاسی شناخت میں بھی مدد دیتے ہیں۔

☆ رقم کے بدلے کام سے مراد قلیل مدتی عارضی ملازمت ہے تاکہ تیزی سے عارضی ملازمین پیدا کئے جائیں اور مقامی لوگوں میں نقد رقم پہنچائی جاسکے ۔

☆ خوراک کے بدلے کام سے مراد ایسی قلیل مدتی عارضی

ملازمت ہے جس میں ملازمین کو ایسے حالات میں کم از کم 50 فیصد معاوضہ اجناس کی صورت میں ملتا ہے جہاں اشیائے خوراک کی کمی ہو اور اُجرت کم ملتی ہو یا منڈی کا نظام کام نہ کررہا ہو۔

☆ عورتوں کی کاروباری صلاحیتوں کے فروغ کے لئے عورتوں کو کاروبار شروع کرنے یا چلانے کی راہ میں حائل رکاوٹیں عبور کرنے میں مدد دینا شامل ہے ۔ اس سلسلے میں عورتوں کے روایتی ہنر کاروبار کے لئے اہم اثاثہ بن سکتے ہیں۔

5.4 سول سوسائٹی کیا کرسکتی ہے ؟

☆ **سماجی شعور کی بیداری :** ایسا معاشرہ جو تیزی سے صارفین کے معاشرے میں تبدیل ہورہا ہو اس معاشرے میں سماجی شعور کو دوبارہ بیدار کرنے کی ضرورت ہے ۔ شعور اُجاگر کرنے کے لئے کسانوں اور دیہی مزدوروں کے روزگار کے حقوق کے بارے میں فلسفیانہ مباحث کئے جانے چاہئیں ۔

☆ بیرونی قرضوں کے خاتمے ، ماحولیاتی تحفظ، ہر قسم کی بے خانمائی (خصوصاً جنگوں اور فوجی کارروائی کے دوران) کے خلاف تحفظ، اور سول اور انتظامی مشینری کی اصلاح جیسے مسائل پر مہمیں چلائی جانی چاہئیں۔

☆ کسانوں اور دیہی مزدوروں کو حقوق کی پامالی کے خلاف مدد دینے کے لئے عوامی ٹریبونل قائم کئے جائیں ۔

☆ سماجی مقدمات کے تصور کو فروغ دیا جائے (جسے مفادِ عامہ کے مقدمات بھی کہا جاتا ہے)

☆ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 38 کے تحت روزگار ، ملازمتوں ، تحفظ ، پناہ گاہ اور نجکاری اور تجارتی بنیادوں پر فارمنگ کے خلاف آئینی درخواستیں دی جائیں ۔

☆ کسانوں اور دیہی مزدوروں کو ہر سطح پر فیصلہ سازی کے عمل میں شامل کرنے کے لئے مہم چلائی جانی چاہیئے ۔

کوئیسکیا ڈیکلریشن

بین الاقوامی انسانی حقوق مباحثہ برابری اصناف کمیشن کا اجلاس لا ویا کمپیسینا ، سٹو ڈومینگو، ڈومینیک ری پبلک ، 1-6 اگست 2005ء انسانی حقوق وہاں شروع ہوتے ہیں جہاں بھوک اور انتہائی غربت ختم ہوتے ہیں

ہم دنیا کے مختلف خطوں سے تعلق رکھنے والے کسان مرد اور عورتیں جو جوان ڈولیو (ڈومینیکن ری پبلک) میں 1-6 اگست 2005 ء کو ہونے والے انسانی حقوق اور برابری اصناف کمیشن کے اجلاس میں شرکت کررہے ہیں ، سرمایہ داری نظام اور مرد کی بالادستی کے نظام کے خلاف متحد ہیں اور یکجہتی اور تنوع کے احترام اور

تمام لوگوں کے درمیان مساوات پر پھر سے متحد ہوتے ہیں -

ہم اپنے اس عزم کا اعادہ کرتے ہیں کہ زمین کو اپنی جائے رہائش اور اس کے ساتھ ساتھ ثقافتوں کے پھلنے پھولنے ، انسانوں کے درمیان تعلقات اور بہت سے سماجی رابطوں کی جگہ کے طور پر برقرار رکھیں اور پھر ہم اپنے اس کردار کی شرحِ نو کرتے ہیں جو ہم نے زراعت کی دریافت ، حیاتیاتی تنوع کو قائم رکھنے ، زمین کو بچانے ، اسے بہتر بنانے بیجوں کو سنبھالنے و بچانے ، علم اور دانش کی تخلیق میں ادا کیا جو انسانیت کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہے -

ہم باہم مربوط حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں جس میں پائیدار زرعی ماڈل تیار کرنے کا حق اور اس کے فروغ کے لئے بننے والی پالیسیوں اور فیصلوں میں شرکت کا حق ،حیاتیاتی تنوع کو قائم رکھنے کا حق جو فطرت اور جانداروں کے درمیان ہم آہنگی اور انسانی تنوع کے تصور پر مبنی ہے ، برابری اور مساویانہ تبادلے کی بنیاد پر زرعی تجارت اختیار کرنے کاحق ، زمین ، پانی اور اچھے بیجوں تک رسائی کے ذریعے زراعت کو ذریعہ روزگار بنانے کا حق ، جینیاتی وسائل کے مستقبل اور ان کی ملکیت کے قانونی خاکے کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق ،مناسب ٹیکنالوجی تک رسائی کا حق اور تحقیق اور علمی ترقی کے پروگراموں کی تشکیل اور نظم و نسق میں شرکت کا حق ،متعلقہ علم اور وسائل کے استعمال، محفوظ کرنے اور انتظام کرنے کے ذریعے حاصل ہونے والے فائدوں پر کنٹرول

اور ان کے استعمال کے بارے میں فیصلہ سازی کا حق، دیہی علاقوں اور عمومی طور پر پوری انسانیت کے مستقبل کے بارے میں پالیسیوں کی تیاری تشریح اور دیکھ بھال میں حصہ لینے کا حق شامل ہیں۔

ہم دیہات کی عورتوں کے ساتھ کسی بھی قسم کے جنسی تشدد، اور اس کے ساتھ ساتھ دیہی علاقوں کی فوج بندی، قبضہ، جبری بے دخلی اور دوسرے سامراجی حربوں کے خلاف ہیں جس میں سماجی احتجاج کو کسانوں اور مقامی اداروں کے وجود کے خلاف مجرمانہ رنگ دینے کا طریقِ کار شامل ہے۔ ہم حکومتوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ عورتوں پر تشدد کے خلاف تمام قوانین و معاہدوں کی توثیق کریں اور ان پر عملدرآمد کریں۔

ہم معیشت کے ہر حصے میں فاتحانہ معاشی، سماجی اور ثقافتی تشدد اور صنفی بنیاد پر تشدد کے ذریعے

بین الاقوامی تجارتی اداروں کی یلغار اور زراعت کو غیر مقامی بنا دینے کے خلاف ہیں۔ ہم اس ذمہ داری سے مبرا مقام کے خلاف ہیں جو بین الاقوامی تجارتی اداروں، مالیاتی سرمائے اور مقامی اشرافیہ کو ان کے انسانی حقوق کے خلاف غلط اقدامات پر دیا جاتا ہے۔

آئیے اس جد و جہد کو دنیا بھر میں پھیلائیں

آئیے اس اُمید کو دنیا بھر میں پھیلائیں!!!

References:

1- Economic Survey of Pakistan, Government of Pakistan, 2004-05

2- Dr Parvez Hassan, "Mixed messages in poverty numbers", Dawn, Economic and Business Review, April 3-9, 2006

3- Rich-Poor Divide, Editorial, The News International, February 8, 2007.

4- Poverty in Pakistan: Issues, Causes and Institutional Responses, Asian Development Bank, July 2002

5- Ibid

6- Mazhar Arif, Land, Peasants and Poverty: Equitable Land Reforms in Pakistan, Centre for Democratic Governance, The Network for Consumer Protection, Islamabad, 2004

7- Ibid

8- Ibid

9- Irfan Shahzad, High input prices hurt farmers, Dawn, Economic and Business Review, March 6-12, 2006

10- Working Conditions of the Agricultural Labor in Punjab - A Survey Report, National Commission for Justice and Peace, Lahore, 2002

11- Ibid

12- Supporting Democratic Development and Governance in Pakistan (SDGP), Program Proposal 2004-08, South Asia Partnership-Pakistan, Lahore

13- Ayesha Siddiqa, The New Land Barons? Newline, Karachi, July 2006

14- Prof. Frithjof Kuhnen, Man and Land: An introduction into the problems of agrarian structure and agrarian reform, Deutsche Welthungerhilfe, Saarbrucken, 1982

15- Ibid.

16- Ibid.

17- Ibid.

18- Women/Gender issues, Research Program, SDPI, Islamabad, 2006

19- Asian Human Rights Commission - Asian Charter, Hong Kong

20- Ibid.

21- Dr Mahnaz Fatima, Addressing Poverty Concerns, Dawn, Economic and business review, May 22-28, 2006

22- Agricultural Perspective and Policy, Ministry of Food, Agriculture and Livestock, Government of Pakistan, Islamabad, 2004

23- Livelihood and Employment Creation, International Labor Organization, Islamabad Office, 2005